احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

ستمبر 2020ء

حفاظتِ دین کیونکر ممکن ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

عقائد و اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

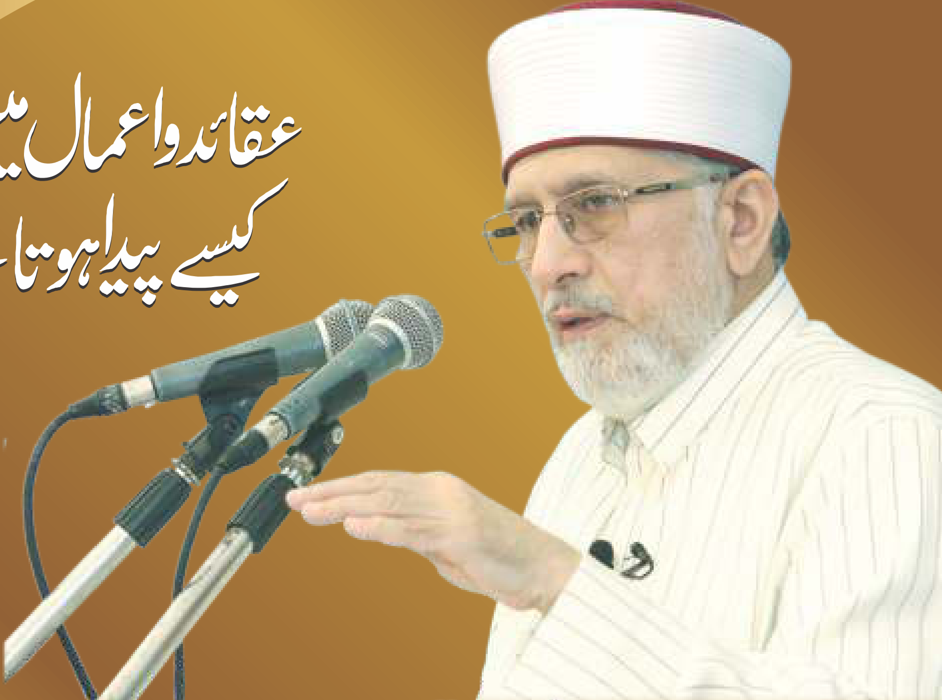

شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور اتحادِ امت کانفرنس

شہادت امام حسینؑ کے حوالے سے پیدا کیے گئے شکوک و شبہات کا ازالہ کے موضوع پر

شیخ الاسلام کا خصوصی خطاب

المنہاج السوي من الحديث النبوي ﷺ

نصابی اہمیت

پاکستان کا فرسودہ نظام تعلیم

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 34 شمارہ: 8 | صفر/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ | ستمبر 2020ء

حسن ترتیب

اداریہ: امن، انصاف اور خوشحالی	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: حفاظتِ دین کیونکر ممکن ہے؟	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست: دوم، حصہ: 3)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	11
الفقہ: عقائد و اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	19
پاکستان کا فرسودہ نظامِ تعلیم	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	22
المنہاج السوی من الحدیث النبوی کی نصابی اہمیت	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	27
شیخ الاسلام کی قیامِ امن کیلئے عالمگیر مساعی کا جائزہ	خصوصی رپورٹ	30
شیخ الاسلام کے اوصاف و کمالات	شفقت اللہ قادری	33
شہادتِ امام حسینؑ اور اتحاد امت کانفرنس	رپورٹ: محبوب حسین	35

چیف ایڈیٹر نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصر اللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی، محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم گرافکس عبدالسلام
خطاطی محمد اکرم قادری عکاسی قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

خالق تُو رازق بھی تُو، ظاہر تو باطن بھی تُو
آنکھ سے نہ آئے تُو نظر، سوچوں تو ہر سمت ہی تُو

تُو غفار ہے تُو ہے رحیم، تُو ستّار ہے تُو ہے کریم
جلوہ تیرا اُس پر ہے عیّاں، جو تیرا ہے جس کا تُو

سب کا پالن ہار ہے تُو، مالک اور مختار ہے تُو
پتوں میں تیری قدرت، پھولوں میں تیری خوشبو

چاند زمین پہ بحر و بَر، تیری قدرت کے مظہر
جلوے تیرے ہیں ہر جانب، تیری عظمت چاروں سُو

آتا کسی کو نظر نہیں، گھر کی تیرے کچھ خبر نہیں
تیری محبت جس میں ہو، رہتا ہے اُس دل میں تُو

پچھلے پہر کی ساعتوں میں، اُٹھ کر نیند سے راتوں میں
کرتا ہے جو یاد تجھے، وہ تیرا ہے اُس کا تُو

جس نے تیرا جب نام لیا، تُو نے اُس کو تھام لیا
مجھ پر بھی تُو کردے کرم، میرا بھی سب کچھ ہی تُو

طاہؔر کے ہے دل کی دعا، کرتا رہے وہ حمد و ثنا
پیارے محمدؐ کے صدقے، بخش دے مولا ہم کو تو

﴿طاہر قیوم طاہر﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہر سانس پے حمد و ثنا جھوم رہی ہے
نظروں میں مدینے کی فضا جھوم رہی ہے

آئی ہے یہ کس کوچۂ رنگیں سے گزر کر
مستوں کی طرح بادِ صبا جھوم رہی ہے

وہ سامنے ہے روضۂ سرکارِ مدینہ
خود حسنِ اثر بن کے دعا جھوم رہی ہے

ہے انــت حبیبــی کی صدا کون و مکاں میں
خود روحِ ملائک بخدا جھوم رہی ہے

کانوں میں ہیں اکـمـلـت لکم دین کے نغمے
پڑھ پڑھ کے زباں صلِّ علیٰ جھوم رہی ہے

ہے فرش سے تا عرش عجب بارشِ انوار
ہر سمت سے رحمت کی گھٹا جھوم رہی ہے

شاعؔر! زہے سر مستی صہبائے مدینہ
پی پی کے مری طبعِ رسا جھوم رہی ہے

﴿شاعر لکھنوی﴾

اداریہ

امن، انصاف اور خوشحالی

21 ستمبر کو ہر سال عالمی یومِ امن منایا جاتا ہے، دنیا بھر کی حکومتیں، غیر سرکاری ادارے، مذہبی، سماجی جماعتیں اور تنظیمیں اس روز امن کی اہمیت پر سیمینارز اور پروگرامز منعقد کرتی ہیں اور امن کی اہمیت اجاگر کرتی ہیں۔ حکومتی سطح پر بھی سربراہانِ مملکت و دیگر ذمہ داران امن کی اہمیت اور افادیت پر بیانات جاری کرتے ہیں مگر دوسری طرف امنِ عالم پر سرسری سی نگاہ دوڑائی جائے تو ہر طرف بدامنی، انتہا پسندی، عدم برداشت، تنگ نظری، تنگ فکری اور دہشتگردی نظر آتی ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں کے دوران تمام جنگیں امن، انسانیت کے تحفظ اور بقاء کے نام پر لڑی گئیں مگر یہ ایک تلخ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ امن کے نام پر جتنی بدامنی پیدا کی گئی اور انسانیت کے تحفظ کے نام پر جتنا انسانیت کا خون بہایا گیا اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو بلاجواز انسانیت کا خون بہانے کی اجازت دیتا ہو لیکن اس باب میں اسلام کی تعلیمات سب سے آگے ہیں۔ دین اسلام غیر مسلم کے جان مال کو مسلمان کے جان مال کی طرح محترم و مقدس قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے سورۃ المائدہ میں فرمایا: ’’جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)‘‘ یہاں کسی مسلمان کی جان کی بات نہیں ہو رہی بلکہ بلا رنگ و نسل اور مذہب پوری انسانیت کی بات ہو رہی ہے۔ اسلام کے اس آفاقی امن کی فلاسفی اتنی فصاحت کے ساتھ دنیا کے کسی اور الہامی یا غیر الہامی مذہب میں بیان ہوتی نظر نہیں آتی جو قرآن نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید کا یہی مضمون احادیث نبوی ﷺ میں بھی شرح و بسط کے ساتھ نظر آتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی عام حالات تو کیا حالتِ جنگ میں بھی بلا ضرورت قتال سے منع فرمایا ہے۔ اس کی بڑی مثال فتح مکہ ہے، آپ ﷺ نے بزرگوں، عورتوں، بچوں اور مسلم سپاہ کے مقابل نہ نکلنے والوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، حرمت اور تحفظِ انسانیت کے ضمن میں اسلام کی تعلیمات کو اگر مختصر انداز میں بیان کیا جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ اسلام قتلِ ناحق اور فساد فی الارض کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مومن مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے کے جان مال کے تحفظ کے احکامات صادر فرمائے ہیں اور قتلِ ناحق سے ہر ممکن بچنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: ’’(اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔‘‘

آج ہم جس عہد میں زندہ ہیں اس میں غیر مسلم اور مسلم ممالک سیاسی تنازعات میں الجھ کر اپنی توانائیاں جنگ و جدل میں صرف کر رہے ہیں اور اس عمل میں بڑی تعداد میں انسانی جانیں ضائع ہو رہی ہیں جو قرآن و حدیث کی نصوص اور

احترامِ آدمیت کے خلاف ہے۔ دنیا میں بدامنی کی بڑی وجوہات میں ناانصافی اور دوسروں کے اقتدارِ اعلیٰ اور مقدس مذہبی ہستیوں کے بارے میں اختیار کیا گیا غیر محتاط رویہ ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹرڈ کے مطابق ہر ایک کے مذہبی بنیادی حقوق، مذہبی شخصیات اور عبادت گاہوں کا احترام ضروری ہے مگر ہر سوسائٹی، مذہب اور معاشرے میں کچھ انتشار پسند اور انتہا پسندی عناصر موجود ہوتے ہیں، جو اپنی بیمار ذہنیت کے زیر اثر رہتے ہوئے دوسروں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتے رہتے ہیں اور اجتماعی امن کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایسے عناصر کی منفی اور مذموم حرکتوں اور سرگرمیوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنا حکومتوں کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس احترام اور رواداری پر مبنی رویے سے بین الاقوامی سطح پر باہمی احترام اور پرجوش سفارتی تعلقات کو مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے احترام اور اعتماد پر مبنی بین الاقوامی تعلقات، بین المذاہب رواداری کی تاریخِ عالم کی شاندار مثال ریاستِ مدینہ کی تشکیل اور دستورِ مدینہ کو مرتب کرتے وقت دی۔ ریاستِ مدینہ میں تمام مذاہب کے احترام کو قانونی شکل دی گئی، ہر ایک کے جان و مال کو تحفظ دیا گیا۔ دستورِ مدینہ میں دیگر اقوام کو اپنے رسوم و رواج کے مطابق زندگی گزارنے کے قانونی حق کو تسلیم کیا گیا۔ آج بھی پائیدار امنِ عالم کے قیام کے لئے دستورِ مدینہ رہنما اصول مہیا کرتا ہے، دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے اس وقت اقوام متحدہ ایک ذمہ دار ادارہ ہے، اقوام متحدہ نے اپنے چارٹرز میں افراد کے انسانی، سیاسی، جغرافیائی، معاشی، سماجی، بنیادی اور مذہبی حقوق کو تحفظ دیا ہے۔ آج بھی اگر ان حقوق کے احترام کو یقینی بنا دیا جائے تو دنیا کو ناانصافی، جنگ و جدل اور متشدد رویوں سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

جب امن کی بات ہوتی ہے تو منہاج القرآن کی اس تناظر میں انجام دی جانے والی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رواں صدی میں اسلام کی امن فلاسفی کو جس موثر انداز میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ لائقِ ستائش اور قابلِ تقلید ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دہشتگردی اور انتہا پسندی کو اسلام سے جوڑے جانے کی منفی کوششوں کا قرآن و سنت کے دلائل سے رد کیا ہے اور اپنے بیانیہ سے یہ باور کروایا ہے کہ اسلام دینِ امن و سلامتی اور امنِ اجتماعی کا پیامبر ہے۔ شیخ الاسلام نے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران پیدا ہونے والے دہشت گردی کے فتنہ سے نوجوانوں کو بچانے اور خبردار کرنے کے حوالے سے جو کردار ادا کیا ہے اس کے ثمرات دنیا کی ہر سوسائٹی تک پہنچے اور نئی نسل کو گمراہ کرنے والے عناصر کا متشدد چہرہ بے نقاب کیا۔ اسی طرح شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے پاکستان میں بھی پائیدار امن کے قیام کے لئے قابلِ قدر کوششیں کیں اور دہشت گردوں کے خارجیت پر مبنی کفریہ بیانیہ کو جڑ سے کاٹا۔ ان کی یہ کوششیں تقریری سطح پر بھی تھیں اور تحریری سطح پر بھی، انہوں نے دہشت گردی کے فتنہ کے خاتمے اور قیامِ امن کے لئے امن نصاب مرتب کیا۔ یہ امن نصاب سوسائٹی کے ہر طبقہ اور ذہنی سطح کے افراد کے لئے ہے۔ انہوں نے فورسز کے جوانوں، وکلاء، اساتذہ، طلباء و طالبات، علمائے کرام اور ائمہ مساجد کے لئے بھی امن نصاب مرتب کیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی اسی امن فلاسفی کے تحت منہاج یونیورسٹی لاہور نے سکول آف پیس قائم کیا جہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ و طالبات فکری کشادگی کے ساتھ تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی ادیان کے تقابلی جائزے کا سب سے بڑے تعلیمی اور تحقیقی مرکز کا درجہ اختیار کر چکی ہے اور یہاں زیرِ تعلیم طلبہ و طالبات بین المذاہب رواداری کی عمدہ مثال ہیں۔ جہاں امن ہوگا وہاں انصاف اور خوشحالی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اجتماعی قیامِ امن پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ (چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

القرآن

حفاظتِ دین کیونکر ممکن ہے؟

اچھا اخلاق بندوں میں رزق کی طرح تقسیم ہوتا ہے

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ۔۔۔۔ معاون: محبوب حسین

گزشتہ سے پیوستہ

دنیا میں انسان دنیاوی مال و متاع، منصب، عزت وقار الغرض ہر دنیاوی چیز جس کے لیے وہ مارا مارا پھرتا ہے، ان کو دینے میں اللہ تعالیٰ اپنی پسند یا ناپسند کے امر کو مانع نہیں بننے دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا اور پسند کرتا ہے، اگر اُسے دنیا دینے کا فیصلہ فرمائے تو اسے بھی دنیا کی نعمتیں عطا کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، اُسے بھی دنیاوی مال و دولت عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں:

إن اللہ قسم بینکم أخلاقکم کما قسم بینکم أرزاقکم (حاکم، المستدرک، ۲/۴۸۵، رقم: ۳۶۷۱)

اللہ رب العزت نے تمہارے درمیان اخلاق اُسی طرح تقسیم کیے ہیں جس طرح اس نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں۔

یعنی اچھے یا برے اخلاق، طبیعتیں اور مزاج جن کی وجہ سے ہم مختلف احوال پاتے ہیں اور مختلف طبقات و درجات میں شامل ہوتے ہیں، یہ اخلاق بندوں میں اِسی طرح تقسیم ہوتے ہیں جیسے رزق تقسیم ہوتا ہے۔ رزق سے مراد صرف کھانا پینا نہیں ہے بلکہ اِس میں شکل وصورت، جسامت، قوت، عزت دماغ، علم الغرض ہر وہ چیز جو اللہ دیتا ہے۔ جس طرح یہ چیزیں تقسیم ہوتی ہیں، اِسی طرح اخلاق، خلق اور دین داری یہ بھی تقسیم ہوتی ہے اور پھر آقا ﷺ نے فرمایا:

وإن اللہ یعطی الدنیا من یحب و من لا یحب.

اللہ رب العزت دنیا ہر شخص کو دیتا ہے خواہ اللہ اُسے پسند کرے یا ناپسند کرے۔

یعنی دنیا اللہ ہر ایک کو دیتا ہے، خواہ وہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب ہے یا مبغوض ہے۔ اِس لیے وہ دنیا کافر کو بھی دیتا ہے، نافرمان کو بھی دیتا ہے، ظالم، فاسق، فرعون، نمرود، یزید، قاتل، جابر کو بھی دیتا ہے اور اگر دینے کا فیصلہ فرمائے تو صالح، دیندار، اپنے محبوب بندوں اور متقی کو بھی دیتا ہے۔ اس فرمان میں آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کی نظر میں دنیا کی حیثیت کو واضح فرمادیا اور پھر ارشاد فرمایا:

ولا یعطی الدین إلا من أحب.

مگر دین، روحانی مرتبہ، تقویٰ، پرہیز گاری آخرت سے محبت، اعمالِ صالحہ، تدینِ دین کا کردار، دین کا علم اور دین کی نعمت اللہ تعالیٰ صرف اُسے دیتا ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے۔

اور پھر فرمایا: **فمن أعطاہ الدین فقد أحبہ.**

پس جسے وہ دین عطا کردے تو تحقیق وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

اس فرمان نبوی میں دین کی دعوے داری کی بات نہیں ہو رہی، یعنی دکھاوے کے دین کی بات نہیں ہورہی بلکہ اس بات کو واضح کیا جارہا ہے کہ جس کی زندگی میں دین دیکھو، جس کے علم اور عمل میں دین دیکھو، جس کی طبیعت، مزاج، برتاؤ، اخلاق، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، لین دین، قول و کلام اور معاملات میں دین دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دین کی نعمت عطا کی

☆ (خطاب نمبر: Fe20، تاریخ: 3 جون 2019ء، مقام: شہر اعتکاف، لاہور) (ناقل: محمد ظفیر ہاشمی)

ہے اور اِس کی زندگی کا ظاہر و باطن دین کے نور سے منور کر دیا ہے۔ جس کی زندگی میں دین اس طرح کاملاً دیکھو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اِس سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ دین کا کردار و عمل اور فہم و سوچ اِتنی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ صرف اُسے دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ دنیا ہر ایک کو دے دیتا ہے، خواہ وہ اس سے محبت کرے یا نہ کرے۔

دین کیا ہے؟

دین کیا ہے؟ ہمیں کس طرح معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو دین دیا ہے اور اللہ اس سے محبت کرتا ہے؟ دین کا کردار اور عمل کیا ہے؟ اس حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده لا یسلم عبد حتی یسلم قلبه ولسانه ولا یؤمن حتی یأمن جاره بوائقه.

(احمد بن حنبل، المسند، ۱/ ۳۸۷، رقم: ۳۶۷۲)

اُس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اُس وقت تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والا دین دار بندہ نہیں بنا، جب تک اُس کے دل اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ نہ ہوں اور جب تک اس کے پڑوسی (تعلق دار) اُس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔

شر کیا ہے؟ یاد رکھیں! شر صرف گولی چلانا نہیں ہے بلکہ کسی کو گالی دینا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، حق تلفی، مال کو نقصان پہنچانا، عزت و شہرت کو نقصان پہنچانا، الغرض ہر عمل جو اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی حق تلفی ہے، یہ تمام شر ہی ہے اور جو ان امور کا مرتکب ہوگا تو اِس کا مطلب ہے کہ اِس بندے کے پاس دین نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ نے پوچھا:

وما بوائقه یا نبی الله.

یارسول اللہ! اُس بندے کے شر کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قال غشمه وظلمه.

بندے کا کسی کی حق تلفی کرنا اور کسی کے ساتھ ظلم و ناانصافی سے پیش آنا، شر ہے۔

یاد رکھیں! اگر ہم دل میں بھی کسی کو بُرا جانتے ہیں اور وہ حقیقت میں اُس بُرائی کا حق دار نہ تھا تو ایسا کرنے والا غشم اور ظلم کا مرتکب ہوگا۔ یعنی اگر زبان سے کسی کو برا کہا تو بندے سے ظلم ظاہر ہوا اور جب دل میں کسی کی بُرائی و تذلیل کا خیال آ گیا، کسی کو حقیر اور برا سمجھ لیا تو یہ قلب کا ظلم ہے۔

شر کی وضاحت کے بعد آقا ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص حرام ،ناجائز، خیانت کے ذریعے مال کماتا ہے اور غریبوں ، مسکینوں ، بیواؤں، یتیموں، مسجد، دین کے کام اور نیکی پر خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ

فیبارك له فیه. فیقبل منه۔

اُس کے لیے برکت ہوگی اور قبول کیا جائے گا۔

فرمایا: نہیں۔ اس کے یہ بظاہر نیک اعمال بھی اس کے کچھ کام نہ آئیں گے اور وہ دوزخ کا حقدار قرار پائے گا۔ اس لیے کہ حرام کمائی نیکی پر لگا کر حرام کے مال کو حلال نہیں کر سکتے، صدقہ و خیرات اُس حرام عمل کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

إن الله عز وجل لا یمحو السیء بالسیء ولکن یمحو السیء بالحسن إن الخبیث لا یمحو الخبیث.

(احمد بن حنبل، المسند، ۱/ ۳۸۷، رقم: ۳۶۷۲)

بُرائی کو بُرائی اور گناہ کو گناہ سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ بُرائی کو صرف اچھائی، نیکی، اطاعت تقوی اور پرہیز گاری مٹا سکتی ہے۔ خبیث سے خبیث کو نہیں مٹا سکتے، خبیث پلید، گناہ اور معصیت اپنی اصل صورت میں برقرار رہیں گی تاوقتیکہ ان امور کو ترک کر کے نیکی کی جانب متوجہ ہوا جائے۔

سب سے کامل ایمان کس کا ہے؟

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسجد نبوی میں آقا ﷺ تنہا تشریف فرما تھے۔ میں آپ ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور عرض کیا:

فأی المؤمنین أکمل إیمانا؟

یا رسول اللہ! سب سے کامل ایمان رکھنے والا مومن کون ہے؟ فرمایا:

أحسنهم خلقا.

جس کے اخلاق سب سے عمدہ اور اعلیٰ ہوں۔

میں نے پوچھا: یا رسول اللہ!

فأی المؤمنین أسلم ؟

اسلام میں سب سے زیادہ اعلیٰ کون ہے؟ فرمایا:

من سلم الناس من لسانه ویده.

جس کی زبان اور ہاتھوں سے ہر مسلمان محفوظ و ممنون رہے۔

میں نے پوچھا: یارسول اللہ!

فأی الهجرة أفضل؟

کون سی ہجرت سب سے اعلیٰ ہے؟ فرمایا:

من هجر السیئات .

جس نے اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے ہجرت کر لی، اُس کی ہجرت سب سے اعلیٰ ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔

فرمایا: تقوی سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ نصیحت میں اور اضافہ فرمائیں۔فرمایا:

زیادہ ہنسا نہ کرو، قہقہے نہ لگایا کرو، اِس سے دل مردہ ہوتا ہے اور نور زائل ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اور نصیحت فرمائیں۔فرمایا:

خاموشی کو اختیار کرو، فضول باتوں سے بچو۔ اِس سے شیطان مردود ہو جاتا ہے اور اللہ کے دین کے امر میں تمہیں طاقت ملتی ہے، خاموشی دین میں مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے ہونے والی بے کار گفتگو دین کو کمزور کرتی ہے اور جب بندہ بے کار گفتگو سے بچ گیا تو اُس سے اس کا دین مضبوط ہوا۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نصیحت میں اور اضافہ فرمائیں۔فرمایا:

أحب المساکین وجالسهم.

غریبوں، مسکینوں، کمزوروں سے محبت کیا کرو اور اُن کے ساتھ بیٹھا کرو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مزید نصیحت فرمائیں۔فرمایا:

انظر إلی من تحتك ولا تنظر إلی من فوقك.

جو تم سے نیچے ہے اُس کو دیکھا کرو اور جو تم سے اُوپر ہو اُسے نہ دیکھا کرو۔

یعنی اپنے سے نیچے مقام والے کو دیکھنے سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر بڑھتی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر پیدا ہوتا ہے اور جب بندہ اپنے سے بڑے کو دیکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کے باوجود شکوہ آتا ہے اور دین کمزور ہوتا ہے۔

پھر آقا ﷺ نے فرمایا: کہ اے ابو ذر! بندے کے عیب دار ہونے اور گناہ گار ہو جانے کے لیے اِتنا ہی کافی ہے کہ جو گناہ اور نقص خود اس کے اپنے اندر ہوں اور جب وہی نقص و عیب وہ دوسرے میں دیکھے تو اُس کو اچھالے، اُس سے پردہ اٹھائے، اُس پر تہمت لگائے اور اُس کو دنیا میں ننگا کرے۔

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے میرے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور فرمایا: جو عیب تجھے اپنے اندر نظر نہیں آتا اور دوسرے میں نظر آئے، سمجھ لے کہ وہ عیب اُس کا نہیں بلکہ تیرا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی کام کر و تو تحمل اور سوچ کے کر، اِس میں دین کی حفاظت ہے۔یعنی بولنے اور عمل کرنے سے پہلے غور و فکر کر کہ کیا یہ بات یا عمل حلال ہے یا حرام؟ اِس طرزِ عمل اور ورع میں دین کی حفاظت ہے۔

اسی طرح جب کسی سے برتاؤ کر تو حُسنِ خلق رکھ، حُسن خلق سے بہتر دین داری کوئی نہیں ہے۔یعنی لوگوں کے ساتھ حُسنِ خلق، اچھے ادب اور اچھے برتاؤ سے بہتر دین کسی کا نہیں ہے اور دین میں سب سے اعلیٰ شکل یہ ہے۔

(ابن حبان، الصحیح، ۲/ ۷۶، رقم: ۳۶۱)

گویا اللہ کی اطاعت کی بجا آوری اور نافرمانی سے بچتے رہنا، اِس سے توبہ اور ہدایت کا آغاز ہوتا ہے اور پھر یہ توبہ و ہدایت صرف نیک صحبت سے محفوظ رہتی ہے۔

بری صحبت سے اجتناب

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا دین بچ جائے--- ہم معصیت کاروں میں نہ ہوں بلکہ اطاعت گزاروں میں ہوں--- اللہ کے

قریب ہوجائیں۔۔۔ گناہوں سے بچیں۔۔۔ زندگی اطاعت اور تقویٰ کے نور سے مزین و منور ہو۔۔۔ اُن طبقات میں نہ جائیں جہاں نیکی اور بدی کا خلط ملط ہو گیا ہے بلکہ اُن طبقات میں جائیں جنہیں بغیر حساب و کتاب کے بخشا جائے گا اور جو اللہ کے ہاں دُہرا اجر پائیں گے۔۔۔ ہماری توبہ اور رجوع اِلی اللہ بچ جائے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگی میں دین کو مضبوط و مستحکم کرے۔۔۔ تو ذہن میں رکھ لیں کہ دین کو بچانے کی شکل یہ ہے کہ پھر صحبت سنگت، دوستی اچھی اختیار کریں۔

یاد رکھیں! بُری سنگت اور صحبت دین کو کاٹتی ہے جبکہ اچھی صحبت، اچھی رفاقت اور اچھی سنگت دین کو مضبوط و مستحکم کرتی ہے۔ اِسی لیے اولیاء، عارفین اور اللہ والوں نے ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ جو طُلّابِ دنیا ہیں اور گناہوں کی زندگی میں لت پت ہیں، اُن کے ساتھ صحبت، سنگت اور رفاقت سے اجتناب کرو وگرنہ وہ تمہارے دین کو بھی لے ڈوبیں گے۔ دنیا اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ تمہاری نیکی کو کمزور کر دیں گے۔۔۔ تمہاری زندگی میں گناہ کے رجحان کو کو مضبوط کر دیں گے۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ کا حیاء تمہارے اندر کم کر دیں گے۔ اس کے بجائے اُن لوگوں کی صحبت، دوستی، اُٹھنا بیٹھنا اور مجالست اختیار کرو جن کی صحبت سے زندگی میں دین مضبو ط ہو۔۔۔ آخرت کی رغبت بڑھ جائے۔۔۔ جو لوگ اللہ کی یاد دلائیں۔۔۔ اللہ کے اوامر و نواہی کی عزت اور احترام ہماری زندگی میں بڑھائیں۔ ان لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرو جو گناہ کے لیے ہماری جرأت بڑھائیں۔۔۔ ہمیں گناہوں سے بے فکر کردیں یعنی نگاہوں میں گناہوں کو بے ضرر کردیں۔

پس اگر اہلِ دنیا، دنیا پرست اور گناہ میں لت پت لوگ یا گناہ کو چاہنے والے، گناہ کو بے ضرر سمجھنے والے اور گناہ کو بے دھڑک کرنے والے لوگوں کی صحبت میں رہو گے تو یہ سنگت اللہ تعالیٰ کی نجات سے تمہیں دور کردے گی اور یہ صحبت دین کی جڑ کو کاٹ دے گی، لہٰذا اہلِ خیر کی صحبت میں بیٹھو تاکہ تمہیں آخرت کی طرف لے جائیں اور تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی طلب بڑھائیں۔

☆ حضرت یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ عرصہ حضرت ذوالنون مصریؒ کی صحبت اختیار کی اور جب جدا ہونے لگا تو عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمادیں۔ آپ نے فرمایا:

وصیت اور نصیحت فقط یہ ہے کہ نیک اور صالح صحبت پر ہمیشہ قائم رہ، وہ تمہارے اندر خیر اور صالحیت کو پیدا کرے گی۔ اُس صحبت سے تمہیں اللہ یاد آئے گا اور تمہارے باطن اور ظاہر میں اللہ کا دین مضبوط اور مستحکم ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے سورہ فاتحہ میں صراط مستقیم کی وضاحت صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ سے فرمائی کہ صراط مستقیم اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر اس کا انعام ہے۔ اللہ رب العزت نے اُن صلحاء کی صحبت، سنگت ،رفاقت اختیار کرنے کی تعلیم ایک بار کی جبکہ بُری صحبت سے بچنے کے لیے اسی سورت میں دہرے کلمات استعمال کیے۔ ارشاد فرمایا:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

جن پر اللہ کا عذاب ہوا اُن کی صحبت سے بچ اور پھر وَلَا الضَّالِّينَ جو گمراہ ہو گئے، بہک گئے، ان کی صحبت سے بچ۔ انعام یافتہ بندوں کا ذکر ایک بار فرمایا جبکہ غیر انعام یافتہ بندوں کا ذکر دو طرح کیا۔ گویا ایک تہائی (one third) خیر نیک صحبت سے ملتی ہے جبکہ بُری صحبت کے نتیجے سے دو تہائی شر ملتا ہے۔ اگر ہدایت چاہیے تو ایک تہائی حصہٗ ہدایت خیر کی صحبت سے ملے گا اور دو تہائی حصہٗ ہدایت بُری صحبت سے بچنے سے ملے گا۔

ہم نیکی بھی کرتے ہیں، نیک صحبت میں بھی بیٹھتے ہیں مگر بُری سنگت بھی ساتھ ساتھ چلاتے ہیں۔ گویا اُدھر سے جو نیکی کماتے ہیں، ادھر لُٹا دیتے ہیں۔ ایک طرف سے جیب میں نیکی ڈالتے ہیں اور دوسری طرف سے جیب کٹاتے ہیں اور وہ نیکی اِدھر سے گرتی چلی جاتی ہے اور ہم ہر روز اپنے اس طرزِ عمل سے نیکیاں ضائع کر دیتے ہیں۔

پس نیک صحبت کا اختیار کرنا اور بری صحبت سے بچنا بھلائی، نیکی اور دین کو مستحکم کرنے کے آداب میں سے ہے۔

جن سے حیاء آئے اُن کی صحبت اختیار کرو

امام سلمی سے پوچھا گیا: کن لوگوں کی سنگت اور صحبت اختیار کی جائے؟ فرمایا:

من يستحيا منه. (غزالی، احیا العلوم الدین، ۲/۱۷۳)

اُن لوگوں کی صحبت میں بیٹھو جن سے آپ کو حیا آتی ہے۔

یعنی جن کا ادب، جھجک، تعظیم و احترام ہمارے دل میں ہے اور جن کے سامنے بُرائی کرنے سے ہم جھجکتے ہیں، وہی لوگ اِس قابل ہیں کہ اُن کی صحبت میں رہا جائے۔ اس لیے کہ جو حیاء اُن شخصیتوں کی نیکی، تقویٰ، طہارت، اطاعت اور بزرگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں ڈالی ہے، وہی حیاء ہمیں گناہ سے بچاتی ہے۔ اُن کی مجالست سے ہمیں نیکیوں اور اطاعتوں کے کرنے کی بھی محبت نصیب ہوگی۔

☆ حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ اپنے والد امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

ما أوقعني في بلية إلا صحبة من لا أحتشمه.

(غزالی، احیا العلوم الدین، ۲/۱۷۳)

میں جب بھی کسی بلا، مصیبت، فتنے، آزمائش اور مشکل میں پڑا تو اِس کی وجہ کسی ایسے کی صحبت تھی جس کا حیاء میرے دل میں نہ تھا۔

یعنی اس بندے سے میرا تعلق دنیاوی غرض پر مبنی تھا یا اس کا کوئی خوف تھا یا اس کی کوئی ضرورت تھی مگر وہ بندہ اچھا نہ تھا۔ اچھا اس لیے نہ تھا کہ اُس کا حیاء نہ تھا کیونکہ بُرے آدمی کا حیاء کوئی نہیں کرتا، اُس کا خوف ہوتا ہے جبکہ نیک، صالح، متقی شخص کا اُس کے تقویٰ کے باعث حیاء ہوتا ہے۔ ہم جب ایسے شخص کی صحبت مجلس اور دوستی میں رہتے ہیں، جن کا حیاء نہیں ہوتا تو بے حیاء کی صحبت ہمارے اندر بے حیائی کی رغبت پیدا کر دیتی ہے۔

بے حیاء کی صحبت کے اثرات

سوال یہ ہے کہ بے حیاء کی صحبت سے بندے میں کس چیز کا حیاء نہیں رہتا؟ اللہ کی حرمتوں، اوامر و احکام اور دین کی اقدار اور حدوں کا حیاء زندگی سے ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی جس شخص کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا حیاء نہیں ہے تو اُس کی صحبت میں بیٹھنے والے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں بے حیا ہو جاتے ہیں۔۔۔ ان میں گناہوں کے حوالے سے جرأت آ جاتی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنے پر انہیں خوف نہیں رہتا۔۔۔ گناہ اور نافرمانی کے کام پر جھجک نہیں رہتی۔۔۔ ان میں جسارتِ گناہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور اطاعت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن سلمی نے اسماعیل بن جنید سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

عاشر من تحتشمه ولا تعاشر من لا تحتشمه.

(سلمی، اداب الصحبۃ، ۱/۵۵)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حیاء میں زندگی گزارتے ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھ اور جو حیاء والے نہیں، ان کی سنگت مت اختیار کر۔

یعنی جنہیں اللہ کے امر، جلالت، عظمت، ربوبیت، کرم، عنائیت اور لطف و احسان کا حیاء ہے، وہ حیا والے لوگ اِس قابل ہیں کہ اُن کی صحبت میں بیٹھو۔ اُن کی صحبت میں بیٹھو گے تو تمہیں بھی اللہ کا حیاء، تعظیم، احترام، توقیر، عظمت اور اُس کے احکام کی جلالت نصیب ہوگی لیکن اگر ایسے لوگوں کے پاس بیٹھے جن کے دل میں اللہ کا حیاء نہیں ہے اور اسی وجہ سے تیرے دل میں ان کا حیاء بھی نہیں ہے اور تم اُن کے ساتھ frank ہو، بے باک ہو تو ان کی مجلس مت اختیار کرو، وگرنہ تمہارے اندر بھی دین کا حیا کم ہو جائے گا۔

☆ حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ کن کی صحبت میں بیٹھیں؟ فرمایا:

صحبة من لا يخاف العار عار.

(شافعی، تاریخ مدینۃ دمشق، ۳۲/ ۲۲۶)

اس شخص کی صحبت اختیار نہ کر جسے اللہ کے ساتھ بے حیائی کرنے، اللہ کی حکم عدولی کرنے، اللہ کی نافرمانی کرنے، اللہ کے دین کی قدروں کو پامال کرنے میں عار محسوس نہیں ہوتا۔ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنے میں عار نہیں، وہ شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے احکام توڑنے کی وجہ سے باعثِ عار اور باعثِ ننگ ہوگا، لوگ اُسے عبرت کا نشانہ سمجھیں گے۔ لہٰذا اُن لوگوں کی صحبت، سنگت اور تعلق کو اختیار کرو جن کے اندر دین دیکھو، اس لیے کہ خیر اور شر دونوں صحبت سے منتقل ہوتے ہیں۔

☆ یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا: دوست اور صحبت چننے سے پہلے دیکھا کرو کہ کس کا انتخاب کر رہے ہو کیونکہ بندہ دوست کے دین پر عمل کرتا ہے۔۔۔ دوست کی طبیعت بندے کی

طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔ مزاج، مزاج کو منتقل ہوتا ہے۔۔۔ ذوق، ذوق میں منتقل ہوتا ہے۔۔۔ حالات، حالات میں منتقل ہوتے ہیں۔

☆ اِسی لیے امام شافعی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

عاشر کرام الناس تعش کریما ولا تعاشر اللئام فتنسب الی اللؤم. (النووی، تہذیب الاسماء، ۱/۷۷)

اے طالب! بزرگ، نیک اور صالح بندوں کی صحبت میں بیٹھا کر، تو بھی صالح ہو جائے گا، کریموں کی صحبت میں بیٹھ تو بھی کریم ہو جائے گا اور جو گھٹیا و کمینی عادات اور مزاجوں و طبیعتوں والا شخص ہے، اُن کے ساتھ نہ بیٹھ۔ یہ نہ ہو کہ تیری نسبت بھی گھٹیا پن کی طرف ہوجائے اور تو بھی گھٹیا پن کی طرف منسوب ہونے لگے۔

یاد رکھیں! جب کسی کے ساتھ نسبت ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ وہی نسبت حقیقت بن جاتی ہے اور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے۔

صحبتِ صالحہ کی تلاش

صحبت کے ان ہی اثرات کی وجہ سے اولیاء کرام اور اکابر ائمہ ہمیشہ نہ صرف خود صحبتِ صالحہ تلاش کرتے ہیں بلکہ صحبتِ صالحہ کی تلاش کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ صحابہ کرام، تاجدارِ کائنات ﷺ کی صحبت اختیار کرتے تھے۔ جب زمانہ گزر گیا تو لوگ صحبتِ صالحہ کی تلاش میں طویل طویل سفر کرتے تھے، کوئی امام مالک کی صحبت تلاش کرتا۔۔۔ امام مالک اپنے لیے محمد بن منکدر کی صحبت تلاش کرتے۔۔۔ امام شافعی، امام مالک کی صحبت بھی اختیار کرتے اور ابوحمزہ بغدادی کی صحبت میں بھی جا کر بیٹھتے ہیں۔۔۔ حضرت بشر حافی کی صحبت میں امام احمد بن حنبل بیٹھتے۔۔۔ امام اعظم، حضرت بہلول مجنوں کی صحبت میں جا کر بیٹھتے۔

ہر کوئی ایک ایسی صحبت تلاش کرتا تھا جس سے اُن کا دین، روحانیت، تعلق باللہ، اقدار اور عبادت کا ذوق مضبوط ہو الغرض جیسے جیسے جس کا مرتبہ ہوتا، وہ مرتبے کے مطابق بڑی صحبت کو تلاش کرتا۔

اس صحبت کو تلاش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے اخلاق، مزاج، طبیعت اور ذوق کا رنگ انسان پر چڑھتا ہے۔ ایک آدمی جو ایک خاص ذوق رکھتا ہے، اگر اُس کی مجلس میں مسلسل بیٹھتے رہیں تو وہ بیٹھنے والے پر بھی اس کے ذوق کا رنگ آنکھ اور کان کے ذریعے چڑھ جاتا ہے اور پھر اسی کے مطابق بندے کا دین مضبوط ہوتا ہے یا کمزور ہو جاتا ہے۔

بُری صحبتیں چھوڑ دیں!

لہٰذا اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنی اپنی سنگت و صحبت کو دوبارہ reconsider کریں۔۔۔ اپنی سنگتوں پر غور و خوض کریں۔۔۔ اپنی دوستیوں کو revisit کریں کہ کن کی مجلسوں میں زیادہ وقت گزارتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اس امر کے لیے کسی سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بُرا بھلا کہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف یہ کرنا ہے کہ جہاں بدی، برائی اور گناہ کے رجحانات بڑھنے کے امکانات ہیں، اُس کو ترک کر دیں۔ ایسے لوگوں سے ملیں تو سلام کر دیا، مسکرا دیا، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ''چونکہ آپ کی صحبت بری ہے اور اس سے میرا دین اور ذوق خراب ہوتا ہے، اِس لیے میں آپ کو چھوڑ گیا ہوں''۔ ایسا کرنا کبر اور عجب ہے۔ ایسا نہیں کرنا۔ کوئی بھی اپنی مجبوری بتا دیں مگر دل سے ارادہ کر لیں کہ جس صحبت میں بیٹھنے سے دین کمزور ہوتا ہے اور کمزور ہونے کے رجحانات اور امکانات پیدا ہوتے ہیں، وہ صحبت اور دوستی ترک کریں گے۔

اُن صحبتوں میں اپنا وقت گزاریں، جہاں سے دین اور آخرت ملتی ہے۔۔۔ جہاں سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ملتے ہیں، جہاں سے ولایتِ الٰہیہ اور تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔۔۔ جہاں سے دل توبہ کی طرف راغب ہوتا ہے۔۔۔ اور اخلاقِ حسنہ و احوالِ طیبہ ملتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمارے حال پر کرم کرے، ہمارے عزم اور نیتوں کو پختہ کرے اور نیک صحبتوں، سنگتوں اور رفاقتوں کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں، برکتوں، رحمتوں سے ہمیں مالا مال کرے، ہر قسم کے شر سے ہمیں محفوظ فرمائے اور ظاہر و باطن ہر طرح کا خیر اللہ تعالیٰ ہم سب کا مقدر کر دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

❁❁❁❁❁

سہ روزہ دورہ علوم الحدیث

کیا صحیحین میں تمام صحیح احادیث بیان کردی گئی ہیں؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتبِ حدیث میں صحیح ترین کتابیں ہیں لیکن ان دونوں ائمہ نے اپنی کتابوں میں تمام صحیح احادیث کا استیعاب نہیں کیا

نشست: دوم
حصہ: 3

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

آج بعض لوگ اپنی کم علمی کے باعث یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں، لہٰذا اگر کسی معاملے پر کوئی حدیث صحیحین میں ہو تو وہ اس حدیث کو مانتے ہیں ورنہ نہیں مانتے۔ یہ ''ورنہ'' تیرہ سو سال میں کبھی وارد نہیں ہوا۔ یہ ''ورنہ'' کبھی اہلِ علم کے کانوں نے سنا اور نہ آنکھوں نے دیکھا۔ یہ ''ورنہ'' تھا ہی نہیں۔ یہ ''ورنہ'' علم کا مرنا بن گیا۔ یعنی احادیثِ نبویہ کے دروازے بند کر دیے اور احادیثِ نبوی کے فیض کے اتنے بڑے سمندر کو صرف ان دو کتابوں میں محصور کر دیا۔ یہ سوچ جہالت پر مبنی ہے۔ یہ دعویٰ امام بخاری اور امام مسلم نے خود بھی نہیں کیا۔ آج اگر وہ حیات ہوتے تو تعجب کا اظہار فرماتے کہ ہمارے تو گمان میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ کسی زمانے میں یہ کہہ دیا جائے گا کہ چونکہ فلاں حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں، لہٰذا ہم نہیں مانتے۔

اس حوالے سے ذیل میں ائمہ کرام کے چند اقوال اور دیگر عقلی و نقلی دلائل بیان کیے جارہے ہیں جن سے معلوم ہوجائے گا کہ حدیث کی صحت کے لیے صرف صحیحین کو معیار و پیمانہ قرار دینا قطعاً درست نہیں:

ا۔ امام نوویؒ کا قول

اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلا حوالہ امام نووی کی کتاب التقریب سے دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

أوّل مصنف في الصحيح المجرد صحيح البخاري ثم مسلم وهما أصح الكتب بعد القرآن.

سب سے پہلی کتاب جو مجرد صحیح میں اس اہتمام کے ساتھ لکھی گئی کہ ان شرائط پر صرف صحیح احادیث لیں اور غیر صحیح نہ لیں، وہ صحیح بخاری تھی اور پھر صحیح مسلم تھی اور یہ دونوں قرآن مجید کے بعد اصح ہیں۔

اس کے بعد امام نووی فرماتے ہیں:

ولم يستوعبا الصحيح ولا التزماه.

(نووي، التقريب، ص ٣)

امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح احادیث کو ان دو کتابوں میں جمع کیا نہ ہی اس کا التزام فرمایا تھا۔

یعنی انہوں نے یہ ذمہ داری لی ہی نہیں کہ کل احادیث صحیحہ کو ہم اپنی کتاب میں جمع کر دیں گے اور جو احادیث اس سے باہر رہ جائیں، وہ صحیح نہیں ہوں گی۔

امام نووی مزید فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ کثیر احادیث ایسی ہیں جو صحیح ہیں مگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج نہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے تمام احادیثِ صحیحہ کو اپنی کتب میں طوالت کی وجہ سے درج نہیں کیا۔

امام نووی مزید فرماتے ہیں کہ بیشتر احادیث جو امام بخاری اور امام مسلم نے نہیں لیں اور وہ صحیح ہیں، وہ احادیث

☆ خطاب نمبر: Ba-126، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 08 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

اصولِ خمسہ میں آ گئیں۔ پھر فرمایا کہ اصول خمسہ میں کثیر احادیثِ صحیحہ آ جانے کے باوجود بھی بے شمار صحیح احادیث بچ گئیں جو ان پانچ کتب (اصول خمسہ) میں بھی نہیں آ سکیں۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی ان پانچ کتابوں کو الأصول الخمسة کہتے ہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول

امام عسقلانی نے النکت میں فرمایا:

لم يلتزم البخاري أن يخرج كل ما صح من الحديث و كما أنه لم يخرج عن كل من صحح حديثه.

(عسقلانی، النکت، ص ۱۷۳)

امام بخاری نے ساری احادیث صحیحہ درج کرنے کا التزام نہیں فرمایا اور نہ کل رواۃ جو صحیح ہیں اُن سے تخریج کی۔

۳۔ امام اسحاقؒ کا قول

امام زرکشی نے النکت میں بیان کیا کہ امام اسحاق فرماتے ہیں:

أحفظ سبعين ألفاً صحيحة. (زرکشی، النکت)

مجھے ستر ہزار احادیث صحیحہ یاد ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر بدونِ تکرار صحیح بخاری کی 28 سو احادیث کو ہی صحیح مانا جائے اور ان کے علاوہ کسی دوسری حدیث کو صحیح نہ مانا جائے تو امام اسحاقؒ کو یاد 70 ہزار حدیثِ صحیحہ میں سے 67 ہزار 200 احایث کہاں گئیں؟ لازمی بات ہے کہ وہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول

امام حاکم اپنی کتاب **المدخل إلى كتاب الإكليل** فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے کہا:

صح من الحديث سبع مائة ألف حديث و كسر.

(حاکم، المدخل، ۱: ۳۵)

احادیث میں سے سات لاکھ حدیثیں صحیح طور پر ثابت ہیں۔

اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تھذیب التھذیب میں بھی بیان کیا ہے۔

حدیث کے حوالے سے امام احمد بن حنبل ایک اتھارٹی ہیں، آپ کے اس قول کے آ جانے کے بعد کہ سات لاکھ حدیثیں اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہو چکی ہیں، اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہ رہا کہ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں، ہم اُس کو صحیح نہیں مانتے۔ اگر یہ بات کہیں تو یہ بات امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد بن حنبل کا رد ہوگیا۔

امام احمد بن حنبل نے جب یہ کہا کہ سات لاکھ احادیث صحیح ہیں تو ان کے ساتھ امام ابو زُرعہ بیٹھے تھے، آپ نے امام ابو زرعہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس جوان ابو زُرعہ کو دیکھو، اس نے اُن میں سے چھ لاکھ احادیث زبانی یاد کر رکھی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ مزید فرماتے ہیں: ان سات لاکھ صحیح احادیث میں سے میں نے اپنی مسند تیار کی ہے۔ مسند میں احادیث کی تعداد تقریباً 30 ہزار ہے۔ جن کو امام احمد بن حنبل اور امام بخاری جیسی ہستیاں احادیثِ صحیحہ قرار دے چکی ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ ان 30 ہزار کے علاوہ 6 لاکھ 70 ہزار احادیث صحیحہ دیگر کتب حدیث میں ہی ہیں۔

۵۔ امام بخاریؒ کا قول

۱۔ امام زین الدین العراقی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا:

میں نے جو احادیث صحیحہ اپنی صحیح بخاری میں داخل کیں اُن کا عدد کم ہے اور جو صحیح احادیث ترک کر دیں اور جنہیں میں اپنی جامع میں داخل نہیں کر سکا، ان کا عدد زیادہ ہے اور یہ اس لیے ترک کیں کہ کتاب بہت ضخیم نہ ہو جائے۔

(العراقی، التقیید والإیضاح، ص ۳۳)

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کی پہلی جلد مقدمہ ھدی الساری میں بیان کیا کہ ابو علی غسانی نے روایت کیا کہ امام بخاری نے فرمایا:

خرجتُ الصحيحة من ست مائة ألف حديث. قال: ولم أخرج في هٰذا الكتٰب إلا صحيحا وما تركت من

الصحیح اکثر.

(عسقلاني، ہدي الساري، ص ۷)

میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے اپنی کتاب صحیح بخاری کی تخریج کی۔ میں نے اپنی کتاب الجامع میں ہر حدیث جو درج کی ہے وہ صحیح ہے مگر جو احادیث چھوڑ دی ہیں، اُن کا عدد درج ہونے والی احادیث سے کہیں زیادہ ہے۔

۳۔ امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا:

لأنه لو أخرج كل حديث صحيح عنده لجمع في الباب الواحد حديث الجمعة من الصحابة ولذكر طريق كل واحد منهم اذا صحت فيسير كتابا كبيرا جدا.

اگر میں ساری احادیث صحیحہ (جو مجھے یاد ہیں) اس کتاب میں جمع کر دیتا تو صرف ایک ایک صحابی کا باب بن جاتا۔ اتنے ابواب بن جاتے کہ کتاب کئی جلدوں کی بن جاتی۔ جبکہ میں چاہتا تھا ایک جلد میں مختصر کتاب جمع کروں۔

۴۔ ابراہیم بن معقل نسفی فرماتے ہیں کہ امام بخاری فرماتے ہیں:

ما أدخلتُ فی کتابي الجامع إلا ما صح وترکتُ من الصحاح محال الطول. (عسقلانی، مقدمہ فتح الباری)

میں نے صرف صحیح احادیث اس میں جمع کی ہیں مگر جو صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں، اُن کا عدد بہت زیادہ ہے۔

۵۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

وبالجملة به فكتاباهما أصح كتب الحديث ولكنهما لم يعماه أي لم يستوعبا كل الصحيح فی کتابیهما.

بل لو قيل إنهما لم يستوعبا مشروطهما لكان موجها وقد صرح كل منهما بعدم الإستيعاب. فقال البخاري فيما رويناه من طريق إبراهيم بن معقل عنه ما أدخلت في كتابي الجامع إلا ما صح وتركت من الصحيح خشيه أن يطول الكتاب. وقال مسلم إنما أخرجت هذا الكتاب وقلت هو صالح ولم أقل أنه ما لم أخرجه من الحديث فيه ضعيف.

(سخاوي، فتح المغيث، ۱:۳۰)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں (یعنی شیخین) کی کتابیں کتبِ حدیث میں صحیح ترین کتابیں ہیں لیکن ان دونوں نے اپنی کتابوں میں تمام صحیح احادیث کا استیعاب نہیں کیا۔

بلکہ اگر کہا جائے کہ ان دونوں نے اپنی شرائط پر پورا اترنے والی احادیث کا بھی احاطہ نہیں کیا تو یہ بھی درست ہوگا۔ بے شک ان دونوں میں سے ہر ایک نے صراحت کی ہے کہ انہوں نے تمام احادیث کو احاطہ نہیں کیا۔ ہمیں ابراہیم بن معقل کے طریق سے روایت کیا گیا ہے کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی جامع میں وہ احادیث جمع کی ہیں جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح احادیث کو کتاب کی طوالت کے خوف سے ترک کردیا۔ امام مسلم نے فرمایا: میں نے یہ کتاب تیار کی اور کہا کہ یہ بہترین ہے اور میں نے یہ نہیں کہا کہ جو احادیث میں نے بیان نہیں کیں ان میں ضعف ہے۔

یعنی دونوں ائمہ کرام اس بات کی تصریح فرمارہے ہیں کہ جو جو احادیث ہم نے اپنی الجامع الصحیح میں درج کی ہے، وہ تو صحیح ہیں مگر ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ جو احادیث ہم نے درج نہیں کیں، وہ صحیح نہیں یا وہ ضعیف ہیں۔ جو احادیث چھوڑ دی ہیں وہ بھی صحیح ہیں اور جو درج کیں وہ بھی صحیح ہیں۔ ان کتابوں کو مختصر رکھنے کے لیے کچھ لے لی ہیں، باقی احادیث صحیحہ دیگر کتب میں موجود ہیں۔

۶۔ امام جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے فرمایا:

ما أدخلتُ في كتاب الجامع إلّا ما صحّ وتركتُ من الصحاح مخافة الطول. وقال البخاري في ما نقله الحازمي والإسماعيلي وما تركت من الصحاح أكثر وقال مسلم: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا إنما وضعت ما أجمعوا عليه.

(سیوطی، تدریب الراوی، ۱: ۹۸)

میں نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث ہی جمع کیں اور بہت ساری صحاح طوالت کے خوف سے ترک کردیں۔ امام حازمی اور امام اسماعیلی نے نقل کیا کہ امام بخاری نے فرمایا: جو

صحیح احادیث میں نے ترک کیں، وہ زیادہ ہیں۔ امام مسلم نے کہا: میں نے ہر صحیح حدیث کو یہاں ذکر نہیں کیا بلکہ میں نے مجمع علیہ احادیث جمع کیں۔

یعنی امام مسلم نے ان احادیث کو جمع کیا جن کی صحت پر ان کے اساتذہ میں سے چند اساتذہ متفق ہوئے۔

میں نے ان ائمہ کے اقوال کے چند نمونے اس لیے بیان کیے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے اور ثابت ہو جائے کہ جو بحث میں کر رہا ہوں یہ چار، پانچ ائمہ کی رائے نہیں ہے بلکہ بارہ تیرہ سو سال کی اصول الحدیث اور تاریخ الحدیث میں تمام ائمہ اور تمام علمائے اعلام اس پر متفق ہیں، ان کا اجماع ہے اور ایک عالم کا بھی اس پر اختلاف نہیں کہ یہ قول امام بخاری و امام مسلم کا نہیں ہے۔

۶۔ صحیح بخاری کے نام میں مذکور ''المختصر'' کی وجہ تسمیہ

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے نام میں ''المختصر'' کا لفظ بھی شامل فرمایا ہے۔ اس لفظ کا استعمال بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصود تمام صحیح احادیث کو اکٹھا کرنا نہ تھا۔ سیر اعلام النبلاء میں علامہ ذہبی نے امام بخاری کے ترجمے کے تحت ابراہیم بن معقل کی روایت سے لیا ہے کہ امام بخاری اور اُن کے ہم جماعت ساتھیوں سے اِن کے استاد اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اگر تم حضور ﷺ کی سنن پر کوئی مختصر کتاب جمع کرو تو یہ کتنی اچھی بات ہے کہ لوگوں کو احادیث نبویہ صحیحہ ایک جلد میں مختصر مجموعے میں مل جائیں۔

امام بخاری کہتے ہیں:

فوقع ذلك في قلبي فأخذتُ في جمع هٰذا الكتاب.

(ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۱۲: ۴۰۱)

یعنی اپنے شیخ سے سن کر کہ احادیث نبویہ کی ایسی ایک کتاب جمع کرو جو مسند بھی ہو، مرفوع بھی ہو، مختصر بھی ہو اور صحیح بھی ہو اور ایک جلد میں ہو تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مختصر کتاب میں جمع کروں گا۔

پھر میں نے چھ لاکھ یاد احادیث میں سے یہ مختصر کتاب ترتیب دی۔ اگر میں ساری احادیث صحیحہ جو مجھے یاد ہیں، اس کتاب میں درج کرنے لگ جاتا تو کتاب مختصر نہ رہتی بلکہ بہت بڑی ہو جاتی۔ اس لیے میں نے اکثر صحیح احادیث ترک کر دیں اور ضرورت کی تھوڑی سی احادیث جس سے مقصد پورا ہو جائے، اس کے اندر درج کر دیں۔

۷۔ امام مسلمؒ کا قول

امام مسلم نے بھی یہی بات صحیح مسلم میں بیان فرمائی:

ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا (يعني في كتاب الصحيح)، وإنما وضعت هاهنا ما أجمعوا عليه. (مسلم، الصحيح، ۱: ۳۰۴، رقم: ۴۰۴)

وہ تمام احادیث جو میرے نزدیک صحیح ہیں، میں نے وہ سب صحیح احادیث اپنی کتاب صحیح مسلم میں درج نہیں کیں اور بے شک میں نے یہاں وہی احادیث درج کی ہیں جس پر (میرے اساتذہ) متفق ہوئے۔

گویا امام مسلم نے ایک پیمانہ بنایا تھا کہ جس حدیث پر انہوں نے اپنے چند اساتذہ کو متفق پایا صرف انہیں لے لیا اور بے شمار احادیث صحیحہ باقی ہیں جنہیں انہوں نے صحیح مسلم میں درج نہیں کیا۔ اس عبارت کے ذریعے گویا انہوں نے اپنے شاگردوں کو سمجھا دیا کہ اس مغالطے میں نہ رہنا کہ جو حدیث صحیح مسلم میں نہیں وہ صحیح نہیں ہے بلکہ ہزار ہا صحیح احادیث ہیں جنہیں میں نے درج نہیں کیا۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ امام مسلم کے ایک شاگرد نے آپ کے سامنے حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی درج ذیل حدیث بیان کی کہ

''فاذا قرأ فانصتوا'' (جب امام قرات کرے تو تم چپ ہو جایا کرو اور خاموشی سے سنو۔)

(مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، ۱: ۳۰۴، رقم: ۴۰۴)

حدیث کو بیان کرنے کے بعد آپ کے شاگرد نے آپ سے پوچھا کہ هل هو صحيح؟ کیا یہ صحیح ہے؟

امام مسلم نے جواب دیا: هو عندي صحيح.

میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

شاگرد نے پوچھا: اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو آپ نے اسے صحیح مسلم میں روایت کیوں نہیں کیا؟ اُس پر امام مسلم نے فرمایا:

ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا، وإنما وضعت هاهنا ما أجمعوا عليه.

(نووی، شرح صحیح مسلم، ۴: ۱۴۳)

یعنی میں نے تمہیں کب کہا ہے کہ وہ ساری احادیث جو میرے نزدیک صحیح ہیں، میں نے ساری کی ساری اپنی کتاب الصحیح میں جمع کر دی ہیں۔ میں نے تو ایک پیمانہ بنا کر احادیث جمع کی ہیں، اُس کے علاوہ ہزاروں صحیح احادیث اور بھی ہیں۔

امام مسلم خود کہیں کہ ساری احادیث صحیحہ میں نے اپنی کتاب میں جمع نہیں کیں لہٰذا جو میری کتاب میں نہ ہو اُس کا معنیٰ یہ ہرگز نہ لینا کہ وہ صحیح نہیں جبکہ ہم کہیں کہ جو صحیح مسلم میں نہیں، وہ نہیں مانتے، یہ بات جہالت اور لاعلمی کے سواء کچھ نہیں۔

۸۔ صحاح ستہ میں درج کل احادیث کی تعداد اور امام بخاریؒ کے قول کا موازنہ

ایک بات اور ذہن میں رکھ لیں کہ پوری صحاح ستہ میں جو احادیث آئی ہیں، اگر ان کے تکرار (repetition) کو حذف کر دیا جائے اور ایک حدیث جو اگرچہ چھ کی چھ کتب صحاح میں بھی آئی ہے، ایک بار شمار کریں تو اس **تجرید الاحادیث** کے بعد صحاح ستہ کی کل احادیث کا عدد 12 ہزار سے کم بنتا ہے۔ دوسری طرف امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ یاد تھیں، اُن میں سے صحیح بخاری کے لیے چند ہزار احادیث کا انتخاب کیا۔ صحیح بخاری کے اندر بھی احادیث کا تکرار ہے، تمام تکرار حذف کر دیے جائیں تو صحیح بخاری کی کل احادیث کی تعداد 2,800 ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بقیہ 97,200 صحیح احادیث جو امام بخاری کو یاد تھیں، وہ کہاں گئیں؟ لازمی بات ہے کہ وہ دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ (امام بخاری کے اس قول پر علماء نے گفتگو کی ہے کہ ایک لاکھ احادیث کے بیان کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ نے اس سے مراد اسانید اور طرق کو لیا ہے۔ بعضوں نے دیگر معانی بیان کیے ہیں، یہ بحث الگ ہے، اس موقع پر ہم اس بحث میں نہیں جاتے۔

اگر کہا جائے کہ بقیہ احادیث صحیحہ، صحاح ستہ میں آ گئی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحاح ستہ میں احادیث کی تعداد بدونِ تکرار 12 ہزار ہے پھر بھی 88 ہزار صحیح احادیث بچ جاتی ہیں۔ وہ کہاں گئیں؟ 88 ہزار میں بھی اگر 50 ہزار اسانید اور طرق کا تکرار لے لیں، پھر بھی بقیہ 38 ہزار احادیث صحیح ہیں، وہ کہاں ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ احادیث دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ پس امام بخاری کے قول اور مذکورہ موازنہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحیحین کے علاوہ بھی احادیث صحیحہ کا کثیر ذخیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔

۹۔ ''التاریخ الکبیر'' اور ''الضعفاء'' میں مذکور راویوں کی تعداد سے استدلال

اس حوالے سے ایک اور دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اسماء الرجال کے حوالے سے ''التاریخ الکبیر'' تحریر فرمائی۔ اُس میں آپ نے تقریباً 30 سے 40 ہزار رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے ضعیف رواۃ پر بھی **الضعفاء** کے نام سے کتاب لکھی جس میں تقریباً 700 راویوں کے احوال لکھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا 700 راویوں کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں ضعیف لکھا، اگر ''التاریخ الکبیر'' میں مذکور راویوں کی تعداد 30 ہزار ہے تو اس میں سے آپ نے صرف سات سو یا ایک ہزار رواۃ ضعیف قرار دیئے، گویا 29 ہزار راوی صحیح ہیں۔ جو راوی صحیح ہیں، لازمی ہے کہ اُن کی مرویات بھی صحیح ہوں گی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کے ہاں صحیح احادیث کا عدد کیا بنتا ہے۔

۱۰۔ صحیحین میں انتخابِ حدیث کا ایک معیار

ائمہ کا فقہی مذہب بھی ہے

سوال یہ ہے کہ ہزارہا احادیث جو امام مسلم اور امام بخاری کی نظر میں صحیح ہیں تو پھر انہوں نے ان احادیث کو اپنی کتب میں درج کیوں نہیں کیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان ائمہ نے طوالت کے پیشِ نظر ایسا نہیں کیا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر امام کے پیشِ نظر ان کا اپنا فقہی مذہب بھی تھا۔ امام مسلم شافعی المذہب تھے۔ اُن پر پابندی تو نہیں ہے کہ ہر حدیث صحیح کو درج کرلیں۔ جن ہزارہا احادیث کو ترک کیا، انہیں باقی ائمہ کے لیے چھوڑا اور اُن ائمہ نے اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

اسی طرح امام بخاری کا رجحان بھی الی الشافعیہ ہے۔ آپ خود مجتہد بھی ہیں۔ لہذا انہوں نے احادیث صحیحہ کے انتخاب میں فقہ شافعی اور اپنے اجتہاد کو پیشِ نظر رکھا۔ اس بات کو صحیح بخاری سے ایک مثال کے ذریعے سمجھاتا ہوں:

امام بخاریؒ آمین بالجہر کا مذہب رکھتے ہیں۔ یعنی جب امام **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ** کہے تو پھر باآواز بلند آمین کہا جائے۔ صحیح بخاری میں اُنہوں نے **باب جهر الامام بالتأمين** قائم کیا ہے۔ محدث اور امام جب باب قائم کرتا ہے یا **ترجمة الباب** لاتا ہے تو اس باب کے الفاظ اُس امام کے مذہب کی عکاسی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کے ابواب (**تراجم الابواب**) احادیث نہیں ہیں بلکہ امام بخاری کا مذہب ہیں۔

عام علماء امام بخاری کے قائم کردہ ابواب کے عنوان سے مغالطہ کھاتے ہیں اور اسے بھی حدیث سمجھتے ہیں۔ یاد رکھ لیں **ترجمۃ الباب** حدیث نبوی نہیں ہوتا بلکہ **ترجمة الباب عند الامام فقه الحديث** ہوتا ہے۔ یہ اُس امام کا فقہی مذہب ہوتا ہے اور وہ اپنے مذہب، فقہ اور فہم کے مطابق باب کا عنوان قائم کرتا ہے جبکہ حدیثِ نبوی وہ متن ہوتا ہے جو **ترجمة الباب** کے نیچے بطورِ حدیث الباب سند کے ساتھ درج کیا جائے۔ سند لانے سے پہلے عنوان کے طور پر بیان کیے گئے ترجمۃ الباب سے استدلال نہیں کر سکتے، اُس سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن حدیث سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

صحیح بخاری میں باآواز بلند آمین کہنے پر امام بخاری نے درج ذیل ابواب قائم کیے ہیں:

۱۔ **باب جهر الامام بالتأمين** (آمین کو امام بآوازِ بلند کہے)

۲. **باب فضل التأمين** (آمین کہنے کی فضیلت)

۳۔ **باب جهر المأموم بالتامين** (مقتدی بآوازِ بلند آمین کہے)

آمین سے متعلقہ مذکورہ تین ابواب سے ثابت ہوگیا کہ آمین کو بآوازِ بلند کہنا امام بخاری کا مذہب ہے۔ امام بخاری کا یہ مذہب اُن کے **ترجمة الباب** سے ثابت ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان ابواب کے ذیل میں آمین کو بآوازِ بلند کہنے پر امام بخاری ایک بھی حدیث نہیں لا سکے۔

میں آمین بآوازِ بلند کہنے کے طریق پر طعن وتنقید نہیں کر رہا بلکہ کسی حدیث کی کتاب میں مذکورہ **ترجمة الباب** اور **حديث الباب** کا فرق سمجھا رہا ہوں کہ کہاں حدیثِ نبوی ہے اور کہاں امام کا اجتہاد ہے؟ کہاں **نفس الحديث** ہے اور کہاں **فقه الحديث** ہے؟ امام بخاری نے **الجهر بالتامين** کا باب قائم کرکے اپنا مذہب بیان کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ **آمين بالجهر** فرمایا کرتے تھے لیکن اپنے مذہب کے مطابق عنوان قائم کر کے بآوازِ بلند آمین کہنے پر امام بخاری ایک حدیث بھی نہیں لا سکے۔ ان ابواب کے تحت وہ کیا احادیث لائے ہیں؟ آیئے ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ امام بخاری **باب جهر الامام بالتأمين** (امام بآوازِ بلند آمین کہے) کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إذا أمّن الإمام فأمنوا فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غُفر له ما تقدم من ذنبه.

(بخاری، الصحیح، ۱:۲۷۰، رقم: ۷۴۷)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو، جس شخص کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ مل گیا، اُس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس حدیث میں نہ بلند آواز سے کہنے کا ذکر ہے اور نہ آہستہ آواز سے کہنے کا ذکر ہے۔ حدیث نبوی کے متن میں

الجهر بالتأمین یا السرُّ بالتأمین لفظ ہی نہیں ہے۔ کہ اُونچی آواز سے کہا کرو یا آہستہ کہا کرو۔ گویا الجهر بالتأمین کا باب قائم کیا ہے مگر حدیث میں الجهر بالتأمین کا لفظ نہیں آیا۔

۲۔ امام بخاری باب جهر المأموم بالتأمین (مقتدی بھی بآوازِ بلند آمین کہے) کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا قال الإمام ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ٥﴾ فقولوا آمين، فإنه من وافق قوله قول الملائكة غُفر له ما تقدم من ذنبه.

جب امام ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ٥﴾ پڑھے تو تم آمین کہا کرو، جس کی آمین ملائکہ سے مل گئی تو اُس کے سارے گناہ بخشے جائیں گے۔

(بخاری، الصحیح، ۱:۲۷۱، رقم: ۷۴۹)

الفاظ کے فرق کے ساتھ حدیث پہلے والی ہی ہے۔ اس موضوع پر امام بخاری کے پاس مختلف سند کے ساتھ ایک ہی حدیث ہے۔ پہلی سند ابن شهاب عن سعيد بن مسيب عن أبي سلمه بن عبد الرحمٰن عن أبي هريرة سے اور دوسری سند عبد الله بن مسلمه عن مالك عن ابی صالح السمان عن أبي هريرة سے ہے۔ سندیں مختلف ہیں مگر حدیث کا مضمون ایک ہے۔ اس مضمون میں بھی اونچی آواز یا پست آواز کے لفظ نہیں ہے۔

۳۔ امام بخاری باب فضل التأمین (آمین کہنے کی فضیلت) کے تحت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور سند سے حدیث لائے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا قال أحدكم آمين وقالت الملائكة في السماء آمين فوافقت إحداهما الأخرىٰ غفر له ما تقدم من ذنبه.

(بخاری، الصحیح، ۱:۲۷۱، رقم: ۷۴۸)

اگر تم آمین کہو تو آسمان پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی، اُس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اب تینوں ابواب میں ایک ہی حدیث مختلف اسناد اور اختلاف الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، مضمون بنیادی طور پر تمام کا ایک ہے مگر کسی ایک حدیث میں بھی اونچی آواز میں آمین کہنے کا ذکر نہیں ہے۔

میں نے حدیث پر اپنی کتاب المنهاج السوی میں فصل فی عدم الجهر بالتأمین (آمین کو بلند آواز سے نہ کہنا) کا باب قائم کیا ہے۔ یہ بھی ترجمة الباب ہے چونکہ میرا مذہب یہ ہے تو میں نے اپنے مذہب کے مطابق ترجمة الباب قائم کیا ہے اور اس پر احادیث بیان کی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اصل میں صحیح بخاری کی یہ ساری احادیث آمین کہنے کی فضیلت میں تھیں، ان تینوں احادیث میں آمین کو جهراً کہنے کا بیان ہے اور نہ آمین کو سِرّاً (آہستہ) کہنے کا بیان ہے۔ امام بخاری کے پاس اپنی کتاب الجامع الصحیح کے لیے مقرر کردہ شرائط کے مطابق اگر ایک حدیث بھی ہوتی تو وہ اسے ان ابواب میں لے آتے مگر وہ ایک روایت بھی نہیں لا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری فرما رہے ہیں کہ میرے پاس صحیح بخاری کے لیے قائم کردہ شرائط صحت کے مطابق کوئی حدیث اس موضوع پر نہیں ہے۔ اس لیے وہ جتنی احادیث لائے ہیں، آمین کی فضیلت پر لائے ہیں۔

۱۱۔ فقہی مذہب کے قیام کیلئے درکار احادیث کا معیار

اب سوال یہ ہے کہ جب ان کے پاس اس موضوع پر حدیث نہ تھی تو اس عنوان سے باب کیوں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چونکہ ان کا مذہب ہے لہذا وہ اپنے مذہب کو ثابت فرمانا چاہتے ہیں۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس موضوع پر ان کے پاس حدیث نہ تھی تو پھر اسے اپنا مذہب کیسے بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے پاس ایسی احادیث ہوں گی اور ہیں جو بخاری کی شرائطِ صحت پر پوری تو نہیں اُترتیں، غیر صحیح ہیں لیکن مذہب قائم کرنے کے لیے وہ احادیث کافی تھیں۔ بیشک

وہ صحیح بخاری کی شرائط صحت پر پورا نہیں اُترتیں، دیگر شرائط پر پورا ہوں گی، لہذا اس پر انہوں نے اپنا مذہب قائم کر لیا۔

علمائے کرام، اساتذہ، معلمات اور طلباء و طالبات! اس موقع پر میں ایک تعلیق اور شرح کر رہا ہوں وہ سمجھ لیں کہ اگر امام بخاری اُن احادیث کی بنا پر جو اُن کے نزدیک صحیح بخاری کی شرائط پر پوری نہیں اُترتیں، اس پر اپنا مذہب قائم کر سکتے ہیں تو احناف اپنا مذہب دیگر احادیثِ صحیحہ کی بنیاد پر قائم کیوں نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر ہم اپنے فقہی مذہب کے لیے کسی حدیث کا حوالہ دیں اور وہ حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں نہ ہو تو کوئی اعتراض کرے کہ یہ صحیح بخاری میں نہیں ہے یا حدیث صحیح بخاری میں اس مؤقف کے برعکس ہے تو آپ اسے اپنا فقہی مذہب کیسے بنا سکتے ہیں؟ ہم کہیں گے کہ ہم نے یہ مذہب امام بخاری کے دادا شیخ امام ابو حنیفہؒ کی روایت سے لیا ہے۔ یہ اگرچہ مذہب بخاری کے معیار پر روایت نہیں، مگر اُسی طرح قائم ہے جیسے خود امام بخاری کے پاس بلند آواز سے آمین کہنے کی کوئی حدیث نہیں جسے وہ صحیح بخاری میں درج کر سکیں مگر پھر بھی مذہب قائم کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مذہب قائم کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ شروطِ صحت بخاری کی ہوں۔ یاد رکھیں کہ اس ضمن میں حدیث کی شروطِ صحت پوری ہونی چاہئیں خواہ صحیح بخاری کی ہوں یا غیر صحیح بخاری کی۔

☆ یاد رکھیں! معاشرے میں رائج سینہ گزٹ عام علم جو بغیر سند، بغیر تحقیق اور بغیر تنقیح کے ہوتا ہے، اُس کی وجہ سے لوگوں کے خیالات خراب ہوتے ہیں، تصورات بگڑتے ہیں، عقائد متاثر ہوتے ہیں، ناجائز جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور تنازعات جنم لیتے ہیں۔ ایسے علم کی حوصلہ شکنی اور سند و تحقیق کے ساتھ پختہ علم کا فروغ ناگزیر ہے۔ مذکورہ بحث اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حدیثِ صحیح اور حدیث کی شروطِ صحت سے متعلق بہت سے موضوعات اور ابحاث جن سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، ان میں سے چند ایک نکات، مسائل اور مباحث جن کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور جن پر علماء کو اشکال رہتا ہے میں

کارکنان و تنظیمات متوجہ ہوں!

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ کے لئے کوشاں

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی پیغام کو اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات تک پہنچانے کے لئے

سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

عقائد و اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

انسان کے اندر برائی اور اچھائی کے میلانات ازل سے ودیعت کئے گئے ہیں

منفعت کی شرائط کے تحت لیا گیا تحفہ شرعاً جائز نہیں

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: عقائد اور اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: انسان کا وجود جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے جسم اور روح دونوں کے الگ الگ تقاضے ہیں اور یہ تقاضے ان کی فطری اور طبعی صلاحیتوں کے مطابق ہیں۔ انسانی جسم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور مٹی میں پستی و گھٹیا پن، ضلالت، گمراہی، حیوانیت و بہیمیت، شیطانیت اور سرکشی جیسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں، اسی لیے نفسِ انسانی فطری طور پر برائیوں کی طرف رغبت دلاتا رہتا ہے۔ گویا گناہوں کی آلودگیاں اور حق سے انحراف نفسِ انسانی کی فطرت میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ (یوسف، ۱۲: ۵۳)

’’بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے‘‘۔

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے روح کی صورت میں انسان کے اندر ایک لطیف و نورانی ملکہ بھی ودیعت کر دیا ہے جس کے تقاضے بدی و نیکی کی تمیز، حق پرستی، صداقت و امانت اور نفس کی تہذیب و تطہیر سے پورے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (الشمس، ۹۱: ۸)

’’پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی‘‘۔

اور ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد، ۹۰: ۱۰)

’’اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے‘‘۔

گویا انسان کے اندر برائی اور اچھائی، بدی و نیکی، خیر و شر دونوں طرح کے میلانات ازل سے ودیعت کر دیئے گئے۔ ان دونوں کے درمیان تضاد، تصادم اور ٹکراؤ کی کیفیت قائم رہتی ہے اور جب تک یہ کشمکش قائم رہے، انسان کی زندگی عجیب قسم کے تضادات اور بگاڑ کا شکار رہتی ہے۔ اسی بگاڑ سے بے راہ روی، ظلم و استحصال، فسق و فجور جنم لیتے ہیں اور انسانی شخصیت اپنے اندرونی انتشار کی وجہ سے بے سکون و بے اطمینان رہتی ہے۔ یہی کیفیت انسان کے اعمال و عقائد میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ ایسی صورتحال کے تدارک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ امام مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان تک یہ خبر پہنچی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ. (مالک، الموطأ، کتاب: القدر، باب: النہی عن القول بالقدر، ۲: ۸۹۹، الرقم: ۱۵۹۴)

’’میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اگر انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت‘‘۔

مذکورہ حدیث میں کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے جڑے رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ایک اور روایت میں قرآن مجید اور اہل بیت اطہار کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لیے مدینہ و مکہ کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خُم کہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ: وَ أَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي.

’’میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کے اَحکامات پر عمل کرنے پر) اُبھارا اور اس کی طرف ترغیب دلائی۔ اور پھر فرمایا: دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔

(مسلم، الصحیح، کتاب: فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب: من فضائل علی بن اَبی طالب ؓ، ۴: ۱۸۷۳، الرقم: ۲۴۰۸)

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے دو ٹوک الفاظ میں گمراہی کے تدارک کا لائحہ عمل بھی بتا دیا ہے۔ اس لیے جو مسلمان کتاب و سنت اور عترتِ رسول سے دور ہوجائے تو اس کے عقائد و اعمال میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال: کمیشن کی شرط کے ساتھ مخصوص کمپنی کی دوا تجویز کرنا کیسا ہے؟ نیز ڈاکٹر حضرات کو میڈیکل کمپنیوں کی طرف سے ملنے والے تحائف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اگر ڈاکٹرز یا طبی عملہ کے افراد اس شرط پر کسی کمپنی کی ادویات ترجیحاً تجویز کرتے ہیں یا طبی معائنہ کے لیے کسی مخصوص تجزیہ گاہ (Laboratory) کو لازم کر دیتے ہیں کہ اس کے بدلے کسی خاص تناسب سے کمیشن وصول کریں گے تو ایسا کرنا ممنوع ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أَنْ يَشْتَرِطَ أَنَّهُ إِنَّمَا يُهْدِي إِلَيْهِ لِيُعِينَهُ عِنْدَ السُّلْطَانِ، وَفِي هَذَا الْوَجْهِ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ الْأَخْذُ.

اگر کسی صاحبِ اختیار کو کسی کام میں مدد کرنے کی شرط کے ساتھ تحفہ (یا کمیشن) دیا گیا تو اس کا لینا جائز نہیں۔

(الشیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند، الفتاوی الہندیۃ، ۳: ۳۳۱)

مشروط ہونے کے بعد یہ کمیشن محض ہدیہ نہیں رہتا بلکہ ایک طرح سے کاروباری معاہدہ بن جاتا ہے جس میں ایک فریق محض اپنے اختیار کی وجہ سے کمیشن لیتا ہے جبکہ اس کا تمام تر مالی بوجھ تیسرا فریق (مریض) اٹھاتا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ مریض کو دوائی تو اسی قیمت پر ملنی تھی، ڈاکٹر کے کمیشن لینے سے مریض کو اضافی لاگت نہیں آ رہی کیونکہ دواساز کمپنیاں اپنی مصنوعات کے تمام اخراجات خریدار پر ہی ڈالتی ہیں۔ خریدار دوائی کی جو قیمت ادا کرتا ہے اس میں ڈاکٹرز کو دیے جانے والے کمیشنز اور تشہیر کے اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ دواساز کمپنی و طبی تجزیہ گاہ اور ڈاکٹر کے درمیان ہونے والے کمیشن کے لین دین کا اصل بوجھ مریض کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

اگر ڈاکٹرز محض کمیشن کے لالچ میں غیر معیاری ادویات تجویز کرتا ہے یا غیر ضروری طبی معائنہ کرواتا ہے تو اس صورت میں کمیشن لینا اور دینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ دوسروں کے مال و جان سے کھلواڑ ہے جو شرعاً و اخلاقاً سخت ممنوع ہے۔

ڈاکٹرز کو ملنے والے تحائف کی شرعی حیثیت

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ایک واقعہ حضرت ابوحمید ساعدی ؓ نے بیان کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص ابن التبیہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا، جب وہ (زکوٰۃ وصول کر کے) آئے تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

ان عاملوں کا کیا حال ہے کہ میں ان کو (زکوٰۃ وصول کرنے) بھیجتا ہوں اور یہ آ کر کہتے ہیں:

هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ، حَتَّى يَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى عُنُقِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةٌ لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٌ تَيْعِرُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَتَي

إِبْطَيْهِ، ثُمَّ قَالَ :اللّٰهُمَّ، هَلْ بَلَّغْتُ؟ مَرَّتَيْنِ.

یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ (تحفہ) کیا گیا ہے۔ یہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا ہوتا پھر ہم دیکھتے کہ اس کو کوئی چیز ہدیہ کی جاتی ہے یا نہیں! قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم میں سے جو شخص بھی ان اموال میں سے کوئی چیز لے گا قیامت کے دن وہ مال اس کی گردن پر سوار ہوگا (کسی شخص کی گردن پر) اونٹ بڑبڑا رہا ہوگا، یا گائے ڈکرا رہی ہوگی یا بکری منمنا رہی ہوگی، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اتنے بلند کیے کہ ہم نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: اے اللہ میں نے تبلیغ کر دی ہے۔(بخاری، الصحیح، کتاب الأحکام، باب ہدایا العمال، ۶: ۲۶۲۴، رقم: ۶۷۵۳)

اس حدیثِ پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہدے پر فائض ہونے کی وجہ سے تحائف وصول کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی ہے کیونکہ کسی عہدہ پر متمکن شخص کو تحائف کی صورت میں رشوت دے کر لوگ غلط کام کرواتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عُمّال و افسران کو دورانِ خدمات ہدیہ وصول کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فتاوی ہندیہ میں عُمّال اور صاحبانِ اختیار کو دیئے جانے والے تحائف پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ دورِ حاضر میں دواساز کمپنیوں (Pharmaceutical Companies) کی طرف سے میڈیکل اور پیرا میڈیکل سٹاف کو دیے جانے والے تحائف بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ فقہائے فتاویٰ ہندیہ کے مطابق اگر کسی صاحبِ اختیار (جیسے زیرِ بحث معاملے میں ڈاکٹر یا اس کا سٹاف) کو محض دوستی و تعلق کی بناء پر کوئی تحفہ دیا جائے تو لینے والے کے لیے تحفہ لینا اور دینے والے کے لیے تحفہ دینا دونوں جائز ہیں۔ اس معاملے کی دیگر صورتوں پر فتاویٰ ہندیہ درج ذیل الفاظ میں بحث کی گئی ہے:

''اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو اس غرض سے ہدیہ (تحفہ) دینا کہ اس کے اور سلطان (یعنی صاحبِ اختیار) کے درمیان معاملہ ٹھیک رہے اور بوقتِ ضرورت مدد کرے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اگر کوئی حرام حاجت پوری کروانے کے لیے تحفہ دیا گیا ہے تو تحفہ دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تحفہ کسی مباح (ناقابل اعتراض) کام کے لیے دیا جائے تو اس کی بھی مزید دو صورتیں ہیں:

اگر تحفہ کسی کام میں مدد کرنے کی شرط کے ساتھ دیا گیا تو اس کا لینا جائز نہیں، البتہ دینے کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تحفہ دیتے ہوئے اگرچہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی تاہم مقصد یہی ہے کہ صاحبِ اختیار میری مدد کرے اس صورت میں بھی جواز و عدمِ جواز کا اختلاف ہے، تاہم عامہ مشائخ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص صاحبِ اختیار کو کسی (عہدہ و منصب کے حصول جیسے) قضاء وغیرہ کے لیے تحفہ دے تو دینے والے کے لیے دینا اور لینے والے کے لیے لینا دونوں جائز نہیں ہے''۔

(الشیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند، الفتاوی الہندیۃ، ۳: ۳۳۱)

درج بالا تصریحات کو زیرِ بحث معاملے پر منطبق کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر دواساز کمپنیوں کے نمائندے اپنی ادویات متعارف کروانے کے لیے ڈاکٹر حضرات سے ملتے ہیں اور بغیر کسی شرط کے محض وقت دینے پر ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کوئی تحفہ دیتے ہیں تو اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اپنی مصنوعات (Products) متعارف کروانے کے لیے دیا گیا تحفہ بھی وصول کرنے میں کوئی ممانعت نہیں۔

لیکن اگر یہ تحائف، مالی منفعت، کھانے یا دیگر سہولیات اس شرط کے ساتھ دی جاتی ہیں کہ مریضوں کو مخصوص کمپنی کی ادویات تجویز کی جائیں گی یا طبی معائنہ (Medical Test) کسی مخصوص لیبارٹری کا ہی قبول کیا جائے گا یا اس طرح کی دیگر شرائط کے ساتھ تحائف دینا اور لینا سراسر حرام ہے۔ اسی طرح غیر شرعی یا غیرقانونی امور کی انجام دہی کے لیے دیئے جانے والے تحائف وصول کرنا بھی ممنوع ہے۔

❀❀❀❀❀

پاکستان کا فرسودہ نظام تعلیم

طبقاتی نظامِ تعلیم سے طبقاتی کشمکش کو فروغ ملا

اتحاد و استحکام کے لئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ یکساں نصاب تعلیم ناگزیر ہے

عالمی یوم خواندگی کی مناسبت سے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی خصوصی تحریر

ایک قوم کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی سمت کے تعین میں تعلیم کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم صرف افراد کی اخلاقیات کو بہتر بنانے، ان کی شخصیات کو نکھارنے اور ان کے سماجی اور نفسیاتی رویے میں تبدیلی لانے تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ معلومات اور مواصلات کی مہارتوں تک بڑے پیمانے پر رسائی، اقتصادی، سیاسی اور عالمی سطح پر قابو پانے اور تہذیبوں اور ثقافتوں کی بڑھتی ہوئی باہمی وابستگی کے حوالے سے علم کی ایک ایسے عامل کے طور پر شناخت کی گئی ہے جو عالمی سطح پر قوم کو ایک معیار دینے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

ایک باضابطہ اور جمہوری معاشرے کی شاندار عمارت کی بنیاد تعلیم پر ہوتی ہے۔ اگر معاشرے میں تعلیمی نظام منظّم اور یکساں ہوتو لوگوں کو آگے بڑھنے اور ترقی کے مساوی مواقع میسر آتے ہیں۔ تعلیم معاشرتی اور معاشی مساوات کے طور پر کام کرتی ہے جو لوگوں کو اقتصادی قوت کے ساتھ مضبوط کرتی ہے اور انہیں فیصلہ سازی کے عمل میں حصہ لینے کے قابل بناتی ہے۔

پاکستان میں تعلیم کے کردار کو بطور سماجی مساوات اور سیاسی و اقتصادی مواقع فراہم کرنے کے سلسلے میں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پاکستان کا نظامِ تعلیم تین دھاروں کی نشان دہی کرتا ہے:

1. عوامی تعلیمی ادارے (public sector educational institutions)
2. انگلش میڈیم ادارے (elite and private-run English medium institutions)
3. دینی مدارس (religious seminaries)

اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ دو پاکستان رہے ہیں:

ایک پاکستان انگلش بولنے والے اشرافیہ کے لیے مختص ہے، جنہوں نے مہنگے پرائیویٹ اسکولوں اور کالجوں سے تعلیم حاصل کی اور ملک کی بھاگ ڈور سنبھالتے اور اس کے اداروں کو چلاتے ہیں۔ دوسرا پاکستان میلے کچیلے اور ناخواندہ عوام کی آبادی پر مشتمل ہے، جو اِن اشرافیہ کے لیے صبح سے شام تک مزدوروں کی طرح سخت محنت کرتے ہیں۔ یہ تعلیمی نسلی عصبیت کا نظام ہماری قومیت کے خدوخال کو مسلسل کھوکھلا کر رہا ہے (1)

قیامِ پاکستان سے ہی وطنِ عزیز بدقسمتی سے ایسی طبقاتی تقسیم کا شکار ہے جسے تاحال ختم نہیں کیا جا سکا۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تقسیم مزید گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے نمایاں اثرات پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام پر بھی مرتب ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں طبقاتی تقسیم کو مزید فروغ مل رہا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے مروجہ نظامِ تعلیم کے تحت اردو میڈیم اسکولوں میں طلباء عموماً متوسط اور کم ذرائع آمدن والے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان اسکولوں میں اساتذہ بھی اس طبقے سے اور اسی ذرائع آمدن کے گروہ سے

(1) Sethi, Najam, (1993). *Educational apartheid must end,* The Friday Times.

منسلک ہوتے ہیں۔ وہ تعلیم کو اپنی مرضی کے مطابق بطور ایک مشن کے منتخب کرتے ہیں نہ تدریس سے انہیں کوئی محبت ہوتی ہے بلکہ جب وہ کہیں کسی بہتر اور اچھی جگہ پر adjust نہیں ہو پاتے تو تھک ہار کر اس کو اختیار کرنے میں مجبور ہوتے ہیں۔ وہ ایک پست ہمت افراد کا گروہ ہوتا ہے جو اپنے طلباء کو علم کی طرف راغب کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں ان اسکولوں میں بنیادی سہولیات کی بھی کمی ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر ایسا مایوس کن اور سست ماحول ہوتا ہے جو معیاری تعلیم کی فراہمی کے لیے قطعاً موزوں نہیں ہوتا۔

ان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل نوجوان دورانِ تعلیم حاصل ہونے والی قابلیت کے بل بوتے پر ملازمت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں مطلوبہ مہارت اور اہلیت نہیں سکھائی جاتی اور نہ ہی وہ سہولیات دی جاتی ہیں جن کی بنیاد پر وہ جدید حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ یوں میڈیکل یا انجینئرنگ کالجز میں یا سول سروسز میں منتخب ہونے والے کامیاب امیدواروں میں انگلش میڈیم اسکولوں سے تعلیم حاصل کرنے والوں کے مقابلے میں اردو میڈیم اسکولوں کا مجموعی داخلہ کم ہوتا ہے (1)

اگر ان اداروں سے تعلیم حاصل کرنے والے طلباء میں سے کوئی اعلیٰ سطح پر پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اپنے تعلیمی پسِ منظر کی وجہ سے وہ احساس کمتری کا ہی شکار رہتا ہے۔ جب کہ elite اسکولوں اور کالجوں سے فارغ التحصیل ہونے والوں کے لیے دنیا بڑی روشن ہوتی ہے اور انہیں روزگار کے بہترین مواقع میسر ہوتے ہیں۔

طبقاتی تقسیم پر مشتمل پاکستان کا مروجہ نظامِ تعلیم ملک کو متحدہ قوت بنانے میں ناکام رہا ہے، کیوں کہ یہ نظامِ تعلیم گروہی، لسانی، نسلی اور صوبائی امتیازات کا شکار ہے۔ مزید برآں اس نے امیر اور غریب کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجے میں ایسے افراد جن کے پاس معیاری تعلیم حاصل کرنے کے بہترین وسائل اور ذرائع ہیں وہ پرائیویٹ انگلش میڈیم اسکولوں کا انتخاب کرتے ہیں جب کہ معاشرتی ناانصافی کی وجہ سے پاکستان کی اکثریت غریب عوام کی ہے جن کا تعلق کم متوسط اور محروم طبقات سے ہے۔ وہ سرکاری اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں داخلہ لیتے ہیں۔ پاکستان کی آبادی کا ایک کثیر حصہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو عام اسکولوں کی فیس ادا کرنے سے بھی قاصر ہے۔ ان کے پاس انتہائی مجبوری کی حالت میں مذہبی مدارس کا انتخاب کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا (2)

پاکستان کا نظامِ تعلیم - چند تلخ حقائق

جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اُس وقت شرح خواندگی 11 فیصد تھی اور آج 70 سال بعد شرح خواندگی 58 فیصد ہے۔ اگر تمام حکومتیں اس پر محنت کرتیں، ہر سال ایک فیصد بھی شرح خواندگی بڑھاتے چلے جاتے تو آج اس کو 81 فی صد ہونا چاہیے تھا۔ حالیہ بجٹ میں چاروں صوبوں کے لیے رکھی گئی رقوم 720 ارب روپے ہے۔ اگر ان 720 ارب کو صوبوں پر تقسیم کیا جائے تو پنجاب میں 345 ارب، سندھ میں 202 ارب، بلوچستان میں 50 ارب اور KPK میں 138 ارب رکھے گئے ہیں۔ یہ بجٹ جی ڈی پی کا صرف اڑھائی فیصد بنتا ہے۔

پورے ملک میں 2 لاکھ 60 ہزار 9 سو 3 اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد 4 کروڑ 10 لاکھ 18 ہزار 384 ہے۔ اگر اس حساب سے 720 ارب روپے کو ان بچوں پر تقسیم کر دیا جائے تو ایک بچے کے اوپر سالِ رواں میں حکومت فقط 175 روپے خرچ کر رہی ہے۔ اس سے تعلیم

(1) Nasir, J., (2013). Haves and have-nots of education, *The News.*

(2) Aziz-Tahir, and A,C.RS.L.r., (1999). ***Restructuring the Education System in Pakistan.*** Pakistan: National Reconstruction Bureaue.

کے حوالے سے حکومت کی ترجیحات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ساڑھے تین کروڑ بچے ہمارے ہاں ایسے بھی ہیں جو اسکول نہیں جاتے، وہ چائلڈ لیبر کا شکار ہیں اور اُن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔

دوسری طرف ہمارے ہمسائے ملک بھارت میں شرح خواندگی 60 فیصد اور سری لنکا میں 98 فیصد ہے، مگر بدقسمتی سے پاکستان میں پچھلے 4 سال سے شرح خواندگی 58 فیصد پر ٹھہری ہوئی ہے۔ آج مختلف تجزیات اور رپورٹس کے مطابق پاکستان میں 58 فیصد اسکول ایسے ہیں جہاں پر بنیادی ضروریات مثلاً عمارت، ٹوائلٹس اور فرنیچر تک میسر نہیں۔ کچھ تجزیات کے مطابق 18 فیصد اساتذہ ایسے ہیں جو سکول نہیں جاتے، ایسے اساتذہ کی تقرریاں محض مفاد پرستانہ سفارشات اور سیاسی بنیادوں پر کی گئی ہوتی ہیں۔

مختلف اوقات میں متعدد قومی تعلیمی کمیشنز تشکیل دیئے گئے مگر ان پر بھی عمل نہ کیا گیا۔ان پالیسیوں پر عمل درآمد نہ کرنے کی بناء پر آج حالت یہ ہے کہ ساڑھے 3 کروڑ بچے اسکولوں سے باہر ہیں اور جو 4 کروڑ 10 لاکھ بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں وہ پست تعلیمی معیار کا شکار ہیں۔

اسی طرح تعلیمی اداروں پر سرکاری اخراجات کو 2010ء کی GDP کا 2.7 فیصد اور 2015ء تک 7 فیصد خرچ کیا جانا تھا مگر ایسا نہ ہوسکا اور آج 2017ء میں تعلیم پر خرچ کی جانے والی رقم اڑھائی فیصد سے نہ بڑھ سکی۔ جنوبی پنجاب میں پچھلے تقریباً 40سال میں کوئی ایک نئی یونی ورسٹی وجود میں نہیں آسکی۔ یہ پاکستان کا نظامِ تعلیم اور اس کی تعلیمی صورتحال ہے۔ پاکستان کی شناخت اور پہچان زراعت ہے مگر زرعی یونی ورسٹی فیصل آباد کے علاوہ کوئی بڑی زرعی یونی ورسٹی وجود میں نہیں آسکی۔ یہ وہ چند ہوشربا اور تکلیف دِہ گوشے ہیں جو ہمیں پاکستان کے نظامِ تعلیم اور اس کے اوپر خرچ ہونے والے اخراجات سے متعلق آگاہ کرتے ہیں۔

آج پورے ملک میں 5 کروڑ 5 لاکھ شہری ایسے ہیں جو تعلیم یافتہ ہی نہیں ہیں۔ حالیہ مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 20 کروڑ 77 لاکھ ، 74 ہزار 520 ہے۔ یقیناً ناخواندہ افراد کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔ اس وقت پنجاب میں 38 فیصد، KPK میں 46 فیصد، سندھ میں 48 فیصد، بلوچستان میں 55 فیصد ناخواندہ افراد ہیں۔ اسی طرح خواتین کے متعلق ناخواندگی کی شرح کو دیکھا جائے تو پنجاب میں 46 فیصد، KPK میں 53 فیصد، سندھ میں 65 فیصد، بلوچستان میں 77 فیصد خواتین ناخواندہ ہیں۔ تمام سیاسی حکمران ایک دوسرے کو اور ایک دوسروں کے ادوار کو الزام تو دیتے ہیں مگر جب خود اقتدار و اختیار کے مالک ہوتے ہیں تو اس سمت کوئی توجہ نہیں دیتے۔ پورے ملک میں الزام کی سیاست کو بند کر کے نظامِ تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جس کے پاس جو صوبہ ہے اگر وہ اپنے صوبے کی ہی شرح خواندگی کو بڑھانے پر توجہ مرکوز کرتا تو آج پاکستان میں تعلیم کے حالات مختلف ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے سیاست دانوں کے حالات، مقاصد، ضرورتیں کچھ اور ہیں جب کہ پاکستان کے عوام کی ضروریات اور ترجیحات مختلف ہیں۔ 2009ء کی تعلیمی پالیسی کے مطابق 2015ء تک شرح خواندگی کو 81 فیصد تک پہنچ جانا چاہیے تھا مگر پچھلے ساڑھے چار سال کے اندر شرح خواندگی 58 فیصد پر ہی رکی ہوئی ہے۔

اسی طرح پاکستان میں رجسٹرڈ دینی مدارس کی تعداد 12,153 ہے جس کے اندر کم وبیش 15 لاکھ اور 49 ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں۔ مگر کوئی پالیسی اور کوئی ادارہ نہیں ہے جو اس چیز کا جائزہ لے سکے کہ ان مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے اور ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ طلبہ اپنی خدمات کہاں سرانجام دیتے ہیں۔

2013ء میں 45 ہزار گریجوایٹس پاکستان کی مختلف یونی ورسٹیوں سے نکلے، جن میں سے 16 ہزار آج تک بے روزگار ہیں۔ پورے ملک کے 48 فیصد تعلیمی ادارے ضروری سہولتوں سے آج بھی محروم ہیں۔ سوات میں زلزلے کے باعث 40 ہزار لڑکیاں اسکولوں کی تعلیم سے محروم ہوئیں مگر ان کی تعلیمی

بحالی کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ 170 اسکولوں کو بم بلاسٹ سے اڑا دیا گیا، لیکن کوئی اُن سے نہیں پوچھتا کہ اُن 170 اسکولوں میں سے دوبارہ کتنے اسکولوں تعمیر کروائے۔ بلوچستان میں 12 ہزار سکولز ایسے ہیں کہ جس میں صرف ایک لیول کے لیے فقط ایک استاد میسر ہے تو سوچیں وہ اسکول کیسے چلتا ہوگا! پنجاب کے 25 فیصد اسکول جزوی یا کلی بنیادوں پر سہولتوں سے محروم ہیں۔ دوسری طرف حکومتیں پوش علاقوں کے بھاری فیسوں والے اسکولوں کو گرانٹ کے نام پر بھاری بجٹ دیتی ہیں۔ یہ پیسہ غریب کے بچوں کا ہے جو امیر کے بچوں کی سہولتوں پر خرچ ہو رہا ہے۔

پاکستان کا غیر مساوی نظامِ تعلیم

آج تک جو کچھ پاکستان میں نظام تعلیم کے حوالے سے ہوتا رہا ہے اُس کو ڈنگ ٹپاؤ پالیسی کا نام دیا جاسکتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی نئی نسل کے اندر انتہا پسندی، دہشت گردی اور جہالت کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ہم کیسے ان ہونہار اور نوجوان طلبہ و طالبات سے ملک و قوم کے روشن مستقبل کے لیے کچھ کرنے کی امید رکھ سکتے ہیں؟ موجودہ فرسودہ نظام تعلیم ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اس لیے اس نظام تعلیم سے بہترین سائنس دان، استاد، ڈاکٹر، انجینئر پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔

بشمول دیگر عوامل کے پاکستان میں رائج نظامِ تعلیم میں انتہا پسندی اور تشدد پر مبنی نظریہ کے پھیلاؤ کی ایک بنیادی وجہ عدم مساوات کو تصور کیا جاتا ہے۔ عدمِ مساوات کے باعث متذکرہ بالا تعلیمی نظام نصاب تعلیم، طریقہ تدریس اور تعلیم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان اداروں میں طلباء بھی مختلف سماجی اور اقتصادی پس منظر سے آتے ہیں جن میں عام طور پر کچھ بھی یکساں نہیں ہوتا۔ پسماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ جو حصول علم کے لئے کم فیس بھی ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے، ان کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ مدارس کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے منتخب کریں کیونکہ دینی مدارس ان بچوں کو مفت رہائش، خوراک اور مذہبی تعلیم فراہم کرتے ہیں یہاں تک کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد طلباء کے پاس زندگی میں بہت محدود ملازمت کے مواقع ہوتے ہیں۔ اِس احساسِ محرومی کے باعث وہ انتہا پسندی اور ذہن سازی (brain washing) کا جلد شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے افراد جب ایک ہی معاشرے میں رہنے والے افراد میں طبقاتی تضاد دیکھتے ہیں اور اپنی ہی عمر کے اُن نوجوانوں کو دیکھتے ہیں جو انگلش میڈیم اداروں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد زندگی کی تمام سہولیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اُن کے مقابلے میں اِن کے پاس بنیادی ضروریات پوری کرنا بھی دشوار ہے۔ لامحالہ ایسے نوجوانوں میں احساس کم تری، غصہ، حسد اور بدلہ لینے کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ جو بآسانی انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ مذہبی مدارس اسکولوں کی دوسری category ہے جو غریب بچوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرتے ہیں۔ ریاست کی سماجی اور معاشی ناانصافیوں کو نظرانداز کرنے کے باعث معاشرے میں جو خلا پیدا ہوا ہے، مذہبی مدارس نے اس خلا کو پر کیا ہے۔ یہ مدارس اپنے طلباء کو نہ صرف مفت تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ انہیں مفت رہائش، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی مہیا کرتے ہیں۔ نیز تعلیم کے اختتام پر مساجد میں ایک قسم کی ملازمت بھی دیتے ہیں۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ یہ مدارس اگرچہ پاکستان کے مرکزی تعلیمی دھارے سے جدا نہیں ہیں لیکن ایک مکتبہ فکر کے مدرسہ کے طلباء کو دیئے جانے والے افکار و نظریات اور عالمی نقطہ نظر، دوسرے مکتبہ فکر سے ملنے والے افکار و نظریات اور عالمی نقطہ نظر سے مکمل متضاد ہوتے ہیں۔ مزید براں ان کا طریقہ تدریس اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ ایک مخصوص مسلک سے تعلق رکھنے والے کے نزدیک دوسرے مسلک کی (علمی) تعبیر و تشریح (بھی) قابل قبول اور متفقہ نہیں ہوتی۔ اس طرز

عمل نے معاشرے میں فرقہ واریت کی جڑیں مزید گہری کر دی ہیں اور معاشرے کی ترقی اور اصلاح کے پہلو نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

ایسے حالات میں اسلامی تعلیمات سے والہانہ وابستگی رکھنے والا نوجوان مسلمان جب اپنے گرد و پیش فرقہ پرستی کی دیواریں کھڑی دیکھتا ہے تو وہ اسلام سے ہی بیزار ہونے لگتا ہے اور بالآخر ان نام نہاد مصلحین کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، جو ہر مسلک اور مکتب فکر کے خلاف زہر اگلتے ہیں اور فرقہ پرستی یا منافرت کی تردید کے نام پر اسے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہی بے گانہ بنا ڈالتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں اسلام کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں اور انتہا پسندی کے جوش میں اپنے سوا ہر ایک کو اسلام دشمن، کافر، ملحد، لا دین اور مشرک قرار دیتے ہیں، لیکن خود عملاً فتنہ انگیزی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ نوجوان نسل کے کچے ذہنوں میں انتشار کا بیج بو کر گمراہی کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ عقلیت پرست زعماء کالجوں، یونی ورسٹیوں، دفتروں اور جدید تعلیمی اداروں کی آغوش میں پلنے والے نوجوانوں کو بالخصوص اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی اَقدار سے نا آشنا مسلمان نوجوان ان کے تزویراتی حربوں کے سامنے بڑی آسانی سے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

فروغِ علم وشعور کے لیے ہنگامی اِقدامات

علم وشعور ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو قوموں کو زوال کی پستیوں سے نکال کر اوجِ ثریا کی بلندیوں تک لے جا سکتا ہے۔ اس امر کے حصول کے لیے قوموں کو بالعموم اور حکومتوں کو بالخصوص فروغِ علم کے لیے مؤثر اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں اگر ہم متعدد ماہرین تعلیم کے ماڈلز کو سامنے رکھیں یا ترقی یافتہ قوموں کو سامنے رکھیں تو ان میں ہمیں چند پہلو قدرِ مشترک کے طور پر نظر آئیں گے۔ مسلم دنیا اِس وقت اس مسئلے کی نوعیت کے اعتبار سے مؤثر نظام العمل کی متلاشی ہے اور اس کی نشاندہی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اور علم کے بل بوتے پر ترقی کی منازل طے کرنے والی قوموں کے ماڈلز کو سامنے رکھتے ہوئے چند گزارشات پیشِ نظر ہیں:

اصلاحات پر مبنی بہترین اور مؤثر نظامِ تعلیم اور اعلیٰ معیار کا جدید نصابِ تعلیم ہر سطح پر پوسٹ گریجویٹ تعلیم تک وسیع پیمانے پر ہونے والی ترقیاتی منصوبہ جات کو باہم مربوط کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ اس امر کے حصول کے لیے اس وقت سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیادوں پر جدید طرزِ تعلیم کو ترجیح دی جائے اور علمی حلقات کے مابین تعلیمی تعامل کو فروغ دیا جائے اور رکن ریاستوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ علمی حلقات میں تحقیقی وتخلیقی صلاحیتوں کو نہ صرف اجاگر کریں بلکہ وسیع پیمانے پر انہیں فروغ بھی دیں۔ مسلم دنیا کے اندر اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ ومحققین اور اسکالرز کو معاصر علمی حلقات سے ہم آہنگ کیا جائے اور ان کے تشخص کو نمایاں کیا جائے اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ٹھوس بنیادوں پر ایسا نظام وضع کیا جائے جس سے مسلم دنیا میں ہونے والے اِنخلاءِ ذہانت کے عمل کی کلیتاً روک تھام کی جا سکے۔

علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جسے ترقی اور خوشحالی کا بنیادی زینہ گردانا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے عالمی برادری اس وقت بڑی تیزی سے علمی حلقات (knowledge cities) کے قیام کے عمل میں سرگرم ہے۔ عصرِ حاضر میں عالمی تناظر میں ہونے والی علمی ترقی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسلم دنیا پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے ممالک میں علمی وفکری حلقات کے فروغ پر توجہ مرکوز کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں اپنی ملکی سالانہ آمدنی (GDP) سے ایک معقول رقم فروغِ علم کے لیے مختص کرنا ہوگی تاکہ وہ خود کو جدید دور کے تقاضوں سے ہمکنار کرکے ترقی کے مطلوبہ اہداف حاصل کرسکیں۔

❁❁❁❁❁

المنہاج السوی من الحدیث النبوی کی نصابی اہمیت

شیخ الاسلام کی اس شہرۂ آفاق تالیف کو بطور نصاب پڑھایا جارہا ہے

موثر تفہیم کیلئے منہاج السوی کو 16 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے

پروفیسر محمد الیاس اعظمی

معاشرہ مختلف طبقات کے مل جل کر زندگی بسر کرنے سے معرضِ وجود میں آتا ہے۔ ایک معاشرے کے اندر مختلف خیال رکھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں اور متفقہ سوچ رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح افکار و خیالات اور نظریات میں اتفاق و اختلاف کی بنیاد پر قومیں وجود میں آتی ہیں۔ قوم افراد کے ایک ایسے مجموعہ کا نام ہے جو زندگی سے متعلق مشترکہ عقائد و نظریات رکھتا ہے۔ گویا کسی بھی قوم کا کوئی فرد فکری و نظریاتی طور پر اپنی قوم کا نمائندہ و ترجمان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات لازمی اور ضروری ہے کہ تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ کارگہ حیات میں اپنی قوم کا نہ صرف ایک مہذب فرد کہلوا سکے بلکہ وہ اپنی گفتار و کردار میں اس کا بہترین ترجمان بھی ثابت ہوسکے۔ تب وہ قوم اپنے وجود کے اعتبار سے اقوامِ عالم کی صف میں ایک ممتاز اور مہذب قوم شمار ہوسکتی ہے۔ بصورتِ دیگر اس کا عالمی معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہوگا۔

اس لیے یہ بات لازمی ہے کہ اس دورِ جدید میں نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں نونہالانِ اسلام کی اس نہج پر تربیت کی جائے اور ان کی سیرت و کردار کی اس طرح تعمیر کی جائے کہ وہ اقوامِ عالم میں اپنے کردار و عمل کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے قابلِ فخر ترجمان بن سکیں۔ اس مقصد کے لیے سب سے اہم ترین بات تعلیم کے میدان میں ایسے نصاب کی تیاری ہے جس کو پڑھ کر ایک ایسا انسان وجود میں آئے کہ جو اپنے اخلاق و عمل کے اعتبار سے معاشرے کا قابلِ فخر نمائندہ بھی اور قوم کی آنکھوں کا تارا بھی ہو تو ایسا فرد ہی اپنی قوم کی ترقی و عروج کا ضامن بن سکتا ہے۔ بقول اقبال

افراد کے ہاتھوں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

گویا کہ بات یہ ٹھہری کہ قوم سازی کی بنیاد نظامِ تعلیم ہوتا ہے اور بہترین تعلیم بہترین نصاب کی متقاضی ہے۔ اس لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ نصابِ تعلیم ان ارفع و اعلیٰ مقاصد پر مشتمل ہو۔ جس قدر مقاصد بلند ہوں گے اس نصاب کے ذریعے نکلنے والے انسان بھی عمل و کردار میں اسی قدر بلند ہوں گے اور ایسے انسان مل کر ہی ایک بلند کردار قوم کی تشکیل کا قابلِ فخر فریضہ سرانجام دیں گے۔

بلا شبہ زوال و انحطاط کے موجودہ دور میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری قدرت کا ایک انتخاب اور ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک انمول عطیہ ہیں جن کو منعمِ حقیقی نے کردار و عمل کی لازوال خوبیوں سے بھی بہرہ ور کیا ہے اور ملت کے درد آشنا دل سے بھی نواز رکھا ہے۔ انہوں نے احیائے ملت کے لیے تعلیم و تدریس کا میدان چنا اور افرادِ ملت کی تیاری کے لیے ایک ایسا نصاب بھی قوم کو دیا ہے کہ جس کی تدریس سے ایک ایسا پاکیزہ فکر رکھنے والا فرد تیار ہوتا ہے جو معاشرے کا ایک مفید اور لائقِ تقلید شخص قرار پاتا ہے۔

معلمِ کائنات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ امتی ہونے کی نسبت اور دینِ محمدی کا پیروکار ہونے کے ناطے امتِ مسلمہ کے ہر فرد کے لیے لازمی ہے کہ وہ درج ذیل اوصافِ جمیلہ سے متصف ہو:

۱۔صحتِ عقیدہ کا حامل ۲۔حسن اخلاق مرقع

۳۔عملِ صالحہ کا پیکر

انسانی زندگی کے یہی وہ تین پہلو ہیں جن کے باعث کوئی بھی شخص اپنی قوم اور دیگر اقوام میں ممتاز قرار پاتا ہے۔ اگر یہ تینوں یا ان میں سے کوئی بھی انسانی کردار سے نکل جائیں تو وہ جسمانی وجود کے اعتبار سے تو اگرچہ انسان میں شمار ہوتا رہے گا لیکن حقیقت میں وہ حیوانوں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنے تعلیمی اداروں کو جو نصابِ تعلیم دیا ہے، اس میں ان تینوں پہلوؤں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

یوں تو شیخ الاسلام نے بالعموم اس امت کے افراد کی بالخصوص نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے لیے سیکڑوں کتب تصنیف فرمائیں اور ان میں سے کئی کتب بطور نصاب تعلیمی اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں مگر ''المنهاج السوی من الحديث النبوی'' ڈاکٹر صاحب کی ایسی کتاب ہے جو تحریک کے مختلف تعلیمی اداروں میں بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے اور یہ کتاب مذکورہ بالا تینوں پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پوری کتاب کو سولہ مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جو اس طرح ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

☆ **الباب الاول**، جس کو ایمان، اسلام اور احسان کے نام سے معنون کیا گیا ہے اور یہ باب چند فصلوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً **فصل فی الایمان** (ایمان کا بیان)، **فصل فی حقیقة الایمان** (حقیقت ایمان کا بیان)، **فصل فی علامات المومن و اوصافه** (مومن کی علامات اور صفات کا بیان)، **فصل فی الاسلام** (اسلام کا بیان)، **فصل فی علامات المسلم و اوصافه** (مسلمان کی علامات اور اوصاف کا بیان)، **فصل فی حق المسلم علی المسلم** (مسلمان پر مسلمان کے حقوق کا بیان)، **فصل فی الاحسان** (احسان کا بیان)، **فصل فی علامات المحسن و اوصافه** (محسن کی علامات اور اوصاف کا بیان)، **فصل فی علامات الکفر و النفاق** (کفر اور نفاق کی علامات کا بیان)

اس باب کے اندر ڈاکٹر صاحب نے ان ارشاداتِ نبویہ کو عام فہم اور آسان اردو ترجمہ اور مکمل حوالہ جات کے ساتھ جمع کیا ہے کہ جس کو پڑھ کر طالب علم ایک ایسا انسان بن کر نکلتا ہے جو:

۱۔ اسلام کے بنیادی عقائد کا براہ راست قرآن وسنت کی نصوص کی روشنی میں علم رکھنے والا ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اس سے کماحقہ آگاہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں اور دیگر لوگ جو اسلام کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں، عقائد صحیحہ کی کس قدر اہمیت ہے؟ اور یہ کہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے کی اصل بنیاد کیا ہے؟

۳۔ توحید اور شرک کے درمیان حدِ فاصل کیا ہے؟

۴۔ ایمان محض چند کلمات کا زبان سے اقرار کر لینے کا نام نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت کچھ اور ہے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہو کر زبان کے اقرار کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔

۵۔ ایک بندۂ مومن کو ایمان کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہونے کے لیے اپنے اندر کن کن صفات کا پیدا کرنا ضروری ہے جن کے باعث وہ اپنے اندر ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہے؟ بندۂ مومن ان اعلیٰ ترین اقدار و اوصاف سے کامل طور پر آگاہی حاصل کرتا ہے اور اس طرح اس کے اندر جذبۂ عمل جنم لیتا ہے۔

۶۔ وہ کون سی حدود ہیں جو ایمان اور کفر و نفاق کے درمیان حائل ہیں؟ ان ارشاداتِ نبویہ کی تدریس سے انسان کے اندر کفر و نفاق کی ناپسندیدہ راہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ راہوں کا مسافر بن کر شاہراہِ حیات پر گامزن رہتا ہے۔

☆ کتاب میں ''عبادات اور مناسک'' کے حوالے سے ہے، ایک باب اتنی جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے کہ طالب علم اس کو پڑھ کر اسلام کی تمام بنیادی عبادات اور ان سے متعلق ضروری امور سے آگاہی بھی حاصل کرتا ہے اور زبانِ رسالتِ

مآبﷺ سے ان کی فضیلت کو پڑھ کر اس کے دل میں عبادات کی ادائیگی کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور ان سے روگردانی کے باعث اپنے خالق کی ناراضگی کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔

الباب الثالث سے لے کر الباب السادس تک انہی ارکانِ اسلام سے متعلق نبوی ہدایات کو جمع کیا گیا ہے۔ ان چاروں ابواب (۳ تا ۶) کا مطالعہ کرنے سے طالب علم کے اندر دینِ اسلام میں بدنی اور مالی عبادات کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا شوق بھی دل میں موجزن ہوتا ہے۔

☆ الباب السابع "الاخلاص والرقائق" یعنی اخلاص اور رقتِ قلب کے اہم ترین تربیتی موضوع کے حوالے سے ارشاداتِ رسولﷺ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اخلاص ایک ایسی دولت ہے کہ جس کو یہ نصیب ہوجائے، اسے بہت بڑی دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ اس لیے کہ اسی دولت کی بنیاد پر تھوڑا اور معمولی سا عمل بھی حضورِ ایزدی میں شرفِ قبولیت پالیتا ہے اور اس کے بغیر پہاڑوں کے برابر اعمال بھی لائقِ التفات نہیں ہوتے۔ اسی لیے ارشادِ گرامی ہے۔

انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

اس باب کے اندر ڈاکٹر صاحب نے اعمالِ خیر سے متعلق نبوی ہدایات کو جمع کیا ہے جن سے انسانی سیرت و کردار میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کے لیے اس کا وجود باعث خیر بنتا ہے۔

☆ آٹھواں باب: "فضل العلم والاعمال الصالحه" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس میں مختلف امورِ خیر کے علاوہ علم اور علماء کی فضیلت و اہمیت سے متعلق احادیث مبارکہ کو جمع کیا گیا ہے جن کو پڑھ کر علم اور تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

☆ باب نو سے لے کر باب بارہ تک عظمتِ رسالتﷺ اور امتِ محمدیہﷺ کی عظمت کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ اسلام کے نظامِ تعلیم اور تربیت میں ذاتِ رسالت مآبﷺ کو کلیدی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس نظریہ کی علمی اہمیت، اعتقادی ضرورت اور معاشرتی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے تاکہ افرادِ امت اپنے ظاہر و باطن میں عشق و محبتِ رسولﷺ کے چراغ روشن کرکے یکسوئی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن رہیں۔

اس باب کا دوسرا اہم ترین پہلو صلحاء امت کا خوبصورت بیان ہے جن کی شبانہ روز کاوشوں سے اسلام ہم تک پہنچا اور آج تک زندہ ہے۔ ان محسنینِ اسلام سے عقیدت و محبت اور اصحاب و اہل بیت نبویﷺ جن کی قربانیوں سے شجرِ اسلام ثمر بار ہوا ہے، اس باب میں ان کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے، جن کو پڑھ کر ان بندگانِ قدسی صفات کی عظمتوں کے چراغ دل میں روشن ہوتے ہیں۔

☆ کتاب کا تیرھواں باب "الاعتصام بالسنة" سنت و سیرتِ نبویﷺ کی اہمیت کو واضح کرتا اور قاری کو بدعت و گمراہی کی راہوں سے بچا کر سیرتِ نبویﷺ کی پاکیزہ راہوں سے آشنا کرتا ہے۔

☆ چودھواں باب "البر والصلة والحقوق" جب کہ پندرھواں باب "الاداب والمعاملات" پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں ابواب زندگی کے ان معاشرتی پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں جن سے انسان کو اپنے گھر سے لے کر پورے معاشرے میں مختلف لوگوں والدین، خاندان کے دیگر افراد، عام مسلمانوں اور انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی معرفت کے حوالے سے نبوی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔ جن کی بنیاد پر ایک مثالی اور لائقِ تقلید معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو امن و سلامتی، اخوت و محبت اور ایثار و قربانی کا عملی مظہر ہوتا ہے۔

وجوہ بالا کی بنیاد پر یہ بات کسی تردد کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ پاکیزہ افکار و خیالات اور نیک سیرت و پاکیزہ کردار کے حامل افراد اور معاشرہ کی تعمیرِ سیرت کے لیے شیخ الاسلام کی اس کتاب سے راہنمائی لینا نصابی مقاصد کے حصول کے لیے لازمی و ضروری ہے اور ایسی کتب ہی قوم سازی کے مشن میں خضرِ راہ کا کام سرانجام دیتی ہیں۔

امن کے عالمی دن کی مناسبت سے خصوصی رپورٹ

اسلامی تعلیمات میں قیامِ امن کو مرکزیت حاصل ہے

اسلام کے تصورِ جہاد کو سمجھنے کے لئے جہاد بالنفس، جہاد بالعلم جہاد بالعمل، جہاد بالمال کو سمجھنا ضروری ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قیامِ امن کے لئے بروئے کار لائی جانیوالی عالمگیر مساعی کے حوالے سے مختصر جائزہ

خصوصی رپورٹ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے گزشتہ ساڑھے تین دہائیوں سے انتہا پسندی، تنگ نظری، فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خلاف قیام امن کے لیے علمی وفکری میدانوں میں بھرپور جدوجہد کی۔ ذیل میں دہشت گردی کے خلاف اور قیام امن کے لیے شیخ الاسلام کی عالمگیر سطح پر کی جانے والی علمی و فکری کاوشوں کا ایک اجمالی جائزہ نذرِ قارئین ہے:

1۔ 13 اگست 1999ء کو اوسلو میں بین الاقوامی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دو ٹوک انداز میں اسلام کی ’’امن فلاسفی‘‘ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

’’اسلام میں جس چیز کو قابلِ ذکر طور پر انتہائی اہمیت حاصل ہے وہ اوّل تا آخر اور ابتدا سے انتہا تک سوائے امن کے اور کچھ نہیں۔ کوئی چیز جو امن کے خلاف، امن کے منافی، امن سے متصادم اور امن سے متضاد ہو تو اس کا قطعی طور پر اسلامی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں۔ چاہے جو کوئی بھی ہو اگر اس کے مزاج اور کردار میں دہشت گردی یا انتہا پسندی کا مادہ ہے اور وہ قومی و بین الاقوامی سطح پر امن کے لئے خطرے کا باعث ہے تو مطلق طور پر اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور وہ دین کا مخالف ہے۔‘‘

2۔ فرغانہ انسٹی ٹیوٹ مانچسٹر کے زیر اہتمام ’’Islam on Peace, Integration & Human Rights on Islam" کے حوالے سے بین الاقوامی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے بہت سی دیگر مثالوں کے علاوہ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں اسلام کی اساس اور بنیاد کو واضح کیا۔ آپ نے فرمایا:

’’عرب معاشرہ تشدد، ظلم و وحشت اور سفاکی سے بھرپور معاشرہ تھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو امن و سلامتی عام کرنے پر زور دیا‘‘۔

3۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے واشنگٹن ڈی سی (امریکہ) کے معروف اور ثقہ تھنک ٹینک United States Institute of Peace (USIP) میں ’’اسلام کے تصور جہاد‘‘ پر خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا:

’’اسلام کا تصورِ جہاد عالمی سطح پر قیام امن اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے۔ جہاد کی پانچ اقسام ہیں:

ا۔ ’’جہاد بالنفس‘‘: اپنے نفس کی اصلاح کا ذریعہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو قابو کرنے کے لئے روحانی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

۲۔ ’’جہاد بالعلم‘‘: پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے اجتہاد اس جہاد کے زمرے میں داخل ہے۔ اسلامی اصولوں کی ضروریات کے مطابق تشریح کرنا تاکہ اسلام جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوکر انسانیت کے لئے امن ومحبت کا پیامبر بنا رہے۔

۳۔ ’’جہاد بالعمل‘‘: اس جہاد کے ذریعے لوگوں تک تعلیم کو پہنچانا اور انسانیت کی بہتری کے لئے کام سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ یہ جہاد مجموعی طور پر معاشرہ کی مختلف برائیوں اور ناانصافی

کے خاتمہ اور مثبت موثر تبدیلی کے لئے ہے۔

۴۔ ’’جہاد بالمال‘‘: اس کے ذریعے معاشرے میں معاشی ناہمواری کو دور کرنا مقصود ہے۔ انسانی فلاح و بہبود اور معاشرتی بہتری کے لئے خرچ کرنا جہاد بالمال ہے۔

۵۔ ’’جنگ کے خلاف دفاعی حکمتِ عملی‘‘: اگر کوئی تم پر حملہ آور ہو تو اپنے دفاع کے لئے لڑنا جہاد ہے۔ اسی تصور کو اقوام متحدہ نے بھی اپنے آئین میں درج کرلیا ہے‘‘۔

’’جہاد عالمی قیامِ امن اور فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔ اسلام کا تصورِ جہاد بہت واضح ہے، بدقسمتی سے اسے بالکل غلط انداز میں پیش کیا گیا۔ بعض جہادی گروہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے جہاد کا غلط معنی و مفہوم دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے جہاد اور دہشت گردی کو خلط ملط کردیا گیا‘‘۔

4۔ ورلڈ اکنامک فورم کے اجلاس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ’’The Reality of Terrorism‘‘ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

’’دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں۔ دہشت گردی ایسی چیز نہیں جو اچانک ظہور پذیر ہو جائے بلکہ دہشت گردی کا ارتقائی عمل تنگ نظری اور انتہا پسندی سے ہو کر گزرتا ہے اور عسکریت پسند دہشت گردی کے عمل میں ایندھن کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ تنگ نظری اور انتہا پسندی کے رویے فکری اور نظریاتی ہیں جو عسکریت پسندی اور دہشت گردی کے عمل کو جنم دیتے ہیں۔ دہشت گردی کے انسانیت کش عمل کو کسی بھی مذہب کے ساتھ منسوب کرنا درست عمل نہیں کیونکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب انسانی جانوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایک فرد کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

دہشت گردی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں ممالک کی معیشت کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہورہی ہے۔ اس کے سدِّ باب کے لئے ضروری ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی غربت کو ختم کرنے کے لئے موثر اقدامات اٹھائے جائیں۔ انسانوں کو باہم قریب لانے کے لئے ضروری ہے کہ مذاہب کے مابین مکالمہ اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے نیز موثر انداز میں معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لئے Multiculturalism اور Integration کو بھی بروئے کار لاتے ہوئے عالمی سطح کے سیاسی تنازعات کو بھی ان کے حقیقی معنوں میں حل کیا جائے‘‘۔

5۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے گزشتہ ساڑھے تین دہائیوں سے انتہا پسندی، تنگ نظری، فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خلاف علمی و فکری میدانوں میں بھرپور جد و جہد کی ہے۔ اِنتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف ناقابلِ تردید دلائل و براہین پر مشتمل آپ کا تاریخی فتوی 2010ء سے کتابی شکل میں دست یاب ہے اور دنیا بھر میں قبولِ عام حاصل کر چکا ہے جسے دنیا بھر کے محققین نے سراہا ہے۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے تحقیقی ادارے مجمع البحوث الاسلامیۃ (قاہرہ، مصر) نے بھی اس کے مشتملات کی تائید کی ہے اور اس پر مفصل تقریظ لکھی ہے۔ آپ کا یہ تاریخی فتویٰ اِس وقت تک اردو، عربی، انگریزی، نارویجن، فرانسیسی، ہندی، سندھی اور انڈونیشین زبانوں میں چھپ چکا ہے، جب کہ ڈینش، ہسپانوی، ملایالم، فارسی اور ترکی زبانوں میں بھی جلد شائع ہوگا۔

6۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دہشتگردی اور دہشتگرد نظریات کے خاتمے کیلئے ہر طبقہ ہائے فکر کے لوگوں کیلئے 46 کتابوں پر مشتمل ’’امن نصاب‘‘ مرتب کر کے عظیم کارنامہ سرانجام دیا جسے مسلم و غیر مسلم معاشروں میں پذیرائی ملی۔ اِنتہا پسندانہ تصورات و نظریات کے خلاف اور اِسلام کی محبت و رحمت، اَمن و رواداری اور عدمِ تشدد کی تعلیمات پر مبنی یہ نصاب دنیا میں امن و سلامتی کے لیے منہاج القرآن انٹرنیشنل اور شیخ الاسلام کی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ضرورت اِس اَمر کی تھی کہ اِس علمی ذخیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھا جائے اور مختلف طبقاتِ زندگی کے لیے مختلف دورانیے کے کورسز تیار کیے جائیں تاکہ ان کورسز کے ذریعے معاشرے کے ہر فرد کو عملی طور پر اتنا تیار اور پختہ کر دیا جائے کہ وہ کسی بھی سطح پر اِنتہا پسندانہ نظریات و تصورات سے نہ صرف خود محفوظ رہیں بلکہ اپنے اپنے حلقات میں اِسلام کے اَمن و محبت اور برداشت پر مبنی اَفکار و کردار کو بھی عام کرسکیں۔

اِس وقت عالم انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ اَمن و اَمان کی بحالی ہے۔ اس اہم اور فوری مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی ادارہ، ریاست یا یونیورسٹی آگے نہیں بڑھی کہ قیامِ اَمن اور اِنسداد دہشت گردی و انتہا پسندی کو ایک science،

subject اور curriculum کے طور پر متعارف کروایا جائے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس فوری اور ناگزیر ضرورت کا بروقت اِدراک کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ تحریک منہاج القرآن اپنی تعمیری اور فکری روایات کے مطابق اِس ذمہ داری کو بھی پورا کرے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے اُنہوں نے ’فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب (Islamic Curriculum on Peace and Counter-Terrorism)‘ مرتب فرمایا جو پانچ مختلف طبقات کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی طرف سے یہ نصابِ امن نہ صرف اُمتِ مسلمہ بلکہ پوری دنیا کے لیے یہ ایک عدیم النظیر اور فقید المثال تحفہ ہے۔ اِن شاء اللہ یہ نصابات بحالیِ اَمن کے سلسلے میں مختلف طبقاتِ معاشرہ کی فکری و نظریاتی تربیت کے سلسلے میں ایک سنگِ میل ثابت ہوں گے۔

پانچ مختلف طبقات کے لیے تیار کردہ نصاب کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ یہ نصاب ریاستی سکیورٹی اِداروں کے افسروں اور جوانوں کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ اِنتہا پسندی اور دہشت گردی کے حوالے سے نہ صرف اُن کی علمی وفکری اور نظریاتی و اِعتقادی تربیت کی جائے بلکہ اُنہیں عملی طور پر دہشت گردوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا کامل تیقن بھی دیا جائے۔

۲۔ یہ نصاب اَساتذہ کرام، پروفیسرز، ججز صاحبان، وکلاء، میڈیا پرسنز اور دیگر جملہ دانش ور طبقات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ دہشت گردوں کے فکری سرپرستوں کے غلط دلائل کا ردّ کرتے ہوئے نوجوان نسل اور اَفرادِ قوم کو اَمن پسندی کی تعلیم دے سکیں۔

۳۔ یہ نصاب اَئمہ، خطباء اور علماء کرام کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ اِس کا مقصد انتہا پسندی و دہشت گردی کے حوالے سے انہیں قرآن و حدیث اور دیگر مستند و معتبر کتب سے مواد فراہم کرنا ہے تاکہ ائمہ و خطباء اور علماء کرام درس و تدریس اور خطابات و مواعظ کے لیے مصادرِ اِسلامی سے ضروری رہنمائی حاصل کرسکیں۔

۴۔ یہ نصاب کالجز، یونی ورسٹیز اور دیگر تعلیمی اِداروں کے طلبہ و طالبات اور نوجوانوں کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ اِنتہا پسندانہ فکر سے متاثر ہونے کی بجائے اِسلام کے تصورِ اَمن و اِعتدال سے رُوشناس ہو کر معاشرے کے ذِمہ دار اور کارآمد اَفراد بن سکیں۔

۵۔ یہ نصاب سول سوسائٹی کے تمام طبقات کے لیے مرتب کیا گیا ہے چاہے اُن کا تعلق کسی بھی شعبہ ہائے زندگی سے ہو۔ یہ عوام الناس میں محبتِ اِنسانیت، عدمِ تشدد اور معاشرے میں اِسلام کے تصورِ اَمن و سلامتی کے کلچر کو فروغ دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ بقیہ چار نصابات کے برعکس یہ صرف نصاب نہیں ہے بلکہ ایک مکمل درسی کتاب ہے جس میں نصاب کی تمام تفصیلات مع مشتملات شامل کردی گئی ہیں۔

’فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا یہ اِسلامی نصاب‘ نہایت جامع ہے۔ اگر مقتدر طبقات معتدل فکر کو پروان چڑھانے کے لیے اِس اِسلامی نصاب سے کما حقہٗ اِستفادہ کریں اور مذکورہ طبقات کے لیے اِس کے کورسز کا بھرپور اِہتمام کریں تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کامل یقین ہے کہ معاشرے اور دنیا سے اِنتہا پسندی و تنگ نظری کے عفریت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگا، اِنتہا پسندوں کی صورت میں دہشت گردوں کو ملنے والی نرسری کی نشو و نما ممکن نہ رہے گی اور اِن شاء اللہ تعالیٰ ہماری دنیا صحیح اِسلامی تعلیمات کے مطابق اَمن و سلامتی، تحمل و برداشت، اِعتدال و میانہ روی، رواداری اور ہم آہنگی کا گہوارہ بن سکے گی۔

❁❁❁❁❁

انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم محمد زبیر (صدر MSM جہن) کی ہمشیرہ، محترم قاری نور محمد، سرفراز احمد اور اعجاز احمد (سیکرٹری نشرواشاعت PAT کوٹ مومن) کی والدہ قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے اوصاف و کمالات

شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو بے راہ روی کے اندھیروں سے نکال کر علم و عمل کی راہ پر ڈالا

آپ ظلم و استبداد کی چکی میں پسی قوم کے نجات دہندہ ہیں

تحریر: شفقت اللہ قادری

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری رواں صدی کی ایک عظیم شخصیت ہیں اور اس حقیقت کا اظہار ان کا ہمہ جہتی علم ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ علم و فضل کے اعتبار سے ہر محاذ پر اسلامی تعلیمات کے محافظ ہیں۔ آپ کی ان صلاحیتوں کا انکار سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کے طلوع ہونے سے انکار کرنے کے مصداق ہے۔ عشقِ الٰہی، عشقِ رسول ﷺ اور عشقِ اہلِ بیت و صحابہ آپ کی زندگی کا جزوِ لاینفک بلکہ فطرتِ ثانیہ ہے جو بچپن سے آپ کے معمولاتِ زندگی میں شامل ہے۔

شیخ الاسلام کے نزدیک حقوق اللہ اولین ترجیح کے حامل ہیں جبکہ حقوق العباد اور حسنِ خلق حقوق اللہ کی قبولیت کا ذریعہ ہیں۔ علوم القرآن اور علوم الحدیث پر کامل دسترس شیخ الاسلام کا اثاثہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور فیضِ رسالتِ مآب ﷺ کا آئینہ دار ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فیوضات و کمالات کے امین اور وارثِ حقیقی بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ دورِ حاضر کے چراغِ علم و عرفان ہیں جس کی روشنی سے ایک عالم منور و تاباں ہے۔ یہ شیخ الاسلام کی ذات ہی ہے جس نے نوجوانانِ ملت کو جہالت و بے راہ روی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر علم و عرفان کے نور سے مالا مال کیا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام امتِ مسلمہ کا عظیم سرمایہ اور علم و فضل کا لازوال خزانہ ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دورِ حاضر میں آپ اسلام کی حقیقی فکر کے پیامبر ہیں۔

شیخ الاسلام کے علم و عمل نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بحالی کے لیے ظلم و استبداد کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر کے اسلام کا اصلی اور حقیقی چہرہ روشناس کرایا ہے۔ بچپن سے ہی ذہانت و فطانت اور روحانیت آپ کی معصوم چشمان سے عیاں ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام فصاحت و بلاغت، فنِ خطابت، ہدایت یافتگی، ظاہر و باطن، قول و فعل، جلوت و خلوت میں یکتا و بے مثال ہیں۔ آپ سیرت و کردار کے آئینے میں اقبال کے شاہینِ لاہوتی، شاہ ولی اللہ کے علم و فضل کی حقیقی تصویر و تفسیر، غوث الثقلین کا کاسہ لیس اور ولایتِ علوی کے آئینہ دار، قدوۃ الاولیاء حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانیؒ کے فیض امین اور فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری کی دعا کا ماحصل ہیں۔

آپ کے ایام علمی عقدہ کشائی اور ورق گردانی میں گزرتے ہیں اور راتیں حضور ﷺ کی کچہری، خلفائے راشدین، عرفا کاملین، صالحین، امام ہائے حق اہل بیت کی ہم نشینی میں گزرتی ہیں۔ آپ ظلم و استبداد کی چکی میں پسی ہوئی قوم کے نجات دہندہ اور مصلح، طاغوتی اور سامراجی قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار، مظلوم اور غریب کے حقوق کے علمبردار اور غاصب و جابر جاگیردار و سرمایہ دار کے خلاف اعلانِ جنگ ہیں۔ ادب و آداب، تہذیب و تمدن میں شائستگی اور عزم و ارادے میں پختگی، رحم دلی، تہجد گزاری، صوم و صلوٰۃ، تلاوتِ

قرآن اور حفظِ مراتب کا خیال آپ کا ابتدائی تربیتی نصاب تھا۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین آپ کا نصاب عشق ہے۔جیسا کہ آپ کے ربطِ الٰہی اور ربطِ رسالت کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ﷺ ہیں۔مزاح، لطافت اور خوش طبعی آپ کی طبیعت کا لازمی جزو ہے جبکہ کسی کی دل آزاری، حوصلہ شکنی اور ناموں کو بگاڑنے پر سرزنش کرتے اور اصلاح فرماتے ہیں۔آپ نے قلوب و اذہان میں رکھے نفرتوں اور کدورتوں کے بت گرادیئے۔آپ ہی قوم کے محافظ اور اسلام کے حقیقی سپہ سالار ہیں۔ فیضان رسالت مآب ﷺ علم وعرفان کی صورت میں آپ کے قلب و ذہن پر القاء، الہام اور بشارت کی طرح اترتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تسخیر قلوب و اذہان آپ کا خاصہ اور کرامتِ خاص ہے۔

شیخ الاسلام خداداد صلاحیت رکھنے والی ایسی شخصیت کے مالک ہیں جو ابتداء سے ہی اسلام کی عظمت، محبت، فوقیت اور مصطفوی انقلاب کی بنیادی روح سے روشناس ہوچکے تھے اور سنِ شعور سے ہی آپ کی شخصیت میں قائدانہ صلاحیتیں اور قوم کی باگ ڈور سنبھالنے کا مصمم ارادہ موجود تھا۔

آپ کی علمی کاوشوں میں سیکڑوں کتب شامل ہیں مگر خاص طور پر قرآنی انسائیکلو پیڈیا اور انسائیکلو پیڈیا آف حدیث کے علاوہ ترجمہ عرفان القرآن آپ کی علمی کرامت ہیں۔علم و فضل آپ کی روحانی غذا اور عشق رسول ﷺ آپ کی دوا و شفاء ہے۔آپ کی پرکشش شخصیت کو عقل وخرد کے پیمانے سے ناپنا ناممکن ہے کیونکہ یہ فقط عشقِ جنون کی عملی تصویر ہے جو قلبِ عاشق میں تو اتر سکتی ہے مگر کسی اوزان پر نہ تولی جاسکتی ہے اور نہ اس کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔

آپ کے گفتار و کردار میں ایسا سحر مخفی ہے جو تاریکی کو دور کرکے محبت و الفت کے چراغ روشن کرتا ہے اور آپ کے لہجے سے عیاں ہے کہ الفاظ اور علمی وفکری اور روحانی نکات آپ کے قلب و ذہن پر القاء ہوتے ہیں۔ آپ ایسا سمندرِ بے کراں ہیں جس کی لہروں میں علم، قابلیت، عمل اور انقلابیت کے موتی تیر رہے ہیں۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں اس آدم شناس عظیم المرتبت قائد کے شمعِ علم کو خود خدا روشن فرما رہا ہے اور گنبدِ خضریٰ کا فیضان آپ پر سایہ فگن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ لدنی علومِ قرآنی اور علوم الحدیث آپ کی روحانی اور علمی خوراک ہے۔ الغرض آپ کی شہرہ آفاق اور عالمگیر ہستی میں ایک عالم ڈوبا ہوا ہے جو آپ کی آفاقی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے انداز بیان، ندرتِ طبعی اور سانسوں میں پھیلی خوشبو سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عطائے خیراتِ مصطفیٰ ﷺ کی جھلک نمودار ہورہی ہے۔

آپ شجاعت و بہادری میں بے مثال، قوم کے محافظ اور اسلام کے سپہ سالار ہیں جن کا چرچہ شرق تا غرب چہار سو پھیل چکا ہے۔ یہ امت کی خیر خواہی اور جود وسخا کی برکت کا نتیجہ ہے۔ آپ کی شخصیت سائبانِ علم وفضل اور محبتوں کی ترجمان ہے۔ آپ کا نصاب صبرو قناعت ہے اور آپ مکتب عشق کے امام ہیں۔ آپ کی قیادت و سیادت انمول، جمال میں تمکنت، حسن لازوال، جبین ناز میں سجدوں کی حلاوت، ساقی شراب عشق، مسیحائے درد وغم، صاحب کردار لاثانی، گفتار کے عجب شاہسوار جس نے عالم دجل وفریب کی جمی ہوئی برف اتار دی، جس نے بدی کے بت پاش پاش کردیئے اور غفلت میں خوابیدہ قوم کا سویا مقدر جگادیا۔ آپ وہ کلمہ حق بلند کرنے والے پختہ صاحبِ ایمان ہیں جنھوں نے اسلام اور امتِ مسلمہ پر منڈلاتے دشمن کے سائے منتشر کردیئے اور راہِ حق میں لگے رکاوٹوں کے پہاڑ مسمار کردیئے۔

میں سلام پیش کرتا ہوں آپ کو جنم دینے والی اس نیک سیرت عظیم ماں کو جن کی زندگی کا واحد مقصد شوہر کی خدمت اور اولاد کی بہتر پرورش کرنا تھا۔۔۔ میں سلام پیش کرتا ہوں اس عظیم باپ کو جن کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ رب العزت نے آپ کو ایسا عظیم فرزند عطا کیا جس کی سیرت پرشکوہ، صورت پر رونق، لب و لہجہ دیدنی، جس کا جاہ و جلال عکسِ جبروتی، جس کا تبسم عکسِ ملکوتی، جس کے سحر نے عالمِ انسانیت کو حیران وششدر کر کے رکھ دیا۔ اس صاحبِ کردارِ لاثانی کو سلام۔

❁❁❁❁❁

شہادتِ امام حسینؑ اور اتحاد امت کانفرنس

”یزید نے سیدنا امام حسینؑ کو شہید کرنے کا تحریری حکم جاری کیا“

شہادتِ امام حسینؑ کے حوالے سے پیدا کئے گئے شکوک وشبہات کا ازالہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

رپورٹ: محبوب حسین

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام شب عاشور دس محرم الحرام کی رات، شہادتِ امام حسینؑ کے حوالے سے ”شہادت امام حسینؑ اور اتحاد امت کانفرنس“ کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس میں قرأ حضرات نے تلاوت قرآن مجید اور ثناء خوانانِ مصطفیٰ ﷺ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے ساتھ ساتھ امام عالی مقام امام حسینؑ، اہلِ بیت اطہار اور شہدائے کربلا کے حضور بھی خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نقابت کے فرائض محترم منہاج الدین، محترم علامہ میر آصف قادری اور محترم سرفراز احمد قادری نے سرانجام دیئے۔

اس کانفرنس میں محترم مفتی خلیل احمد قادری (شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور)، علامہ حافظ کاظم رضا نقوی (پرنسپل جامعہ قرآن بحریہ ٹاؤن لاہور)، پیر زادہ برہان الدین محمد عثمانی (سیکرٹری جنرل علماء و مشائخ رابطہ کونسل جماعت اسلامی)، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری (امیر متحدہ مجلس جمعیت اہلحدیث)، محترم علامہ امداد اللہ قادری، تحریک منہاج القرآن کے جملہ مرکزی قائدین، منہاج القرآن علماء کونسل کے ممبران، علماء و مشائخ اور عوام الناس کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

☆ ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن محترم خرم نواز گنڈا پور نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور معزز مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ پروگرام نہ صرف ملک پاکستان میں بلکہ کم و بیش ساٹھ ممالک میں اس وقت براہ راست منہاج ٹی وی کے ذریعے لائیو دکھایا جارہا ہے۔ اس پروگرام میں پوری دنیا سے لاکھوں لوگ شریک ہیں۔ اس پروگرام کے انعقاد کا مقصد جہاں امام عالی مقام امام حسینؑ اور شہداء کربلا اور اہل بیت اطہارؓ کو خراج عقیدت پیش کرنا ہے وہاں شہادت سیدنا امام حسینؑ کی اہمیت کو اجاگر کرنا بھی مقصود ہے۔ اس کانفرنس کے مقاصد میں ایک اہم مقصد اتحاد امت کا پیغام عام کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں مختلف مکاتبِ فکر کے لوگ موجود ہیں جو اس امر کا اظہار ہے کہ حسینؑ ہم سب کے ہیں اور ہم سب فرقہ واریت کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ آج عصر حاضر میں اتحاد امت اسلامیہ کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ چونکہ کفار کی یلغار چار سو سے امت مسلمہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس وقت اسلام دشمن قوتیں یکجا ہوکر عالمِ اسلام کو تقسیم کرنے کی پوری کوشش کررہی ہیں۔ شہادتِ امام حسینؑ کا پیغام یہی ہے کہ امت اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک ہوجائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خطاب

اس کانفرنس میں ”شہادتِ امام حسینؑ کے حوالے سے پیدا کیے گئے شکوک و شبہات کے ازالہ“ کے موضوع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے درج ذیل آیت مبارکہ کو موضوع گفتگو بنایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا. وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا. (الاحزاب، ۳۳: ۵۷، ۵۸)

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لیے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مَردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اِس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو تو بے شک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سَر) لے لیا"۔

شیخ الاسلام نے فرمایا: بلاشک و شبہ اہلِ بیت کی محبت و مؤدت مسلمانوں کے لیے ایمان کی اصل اور زینت بھی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی تعظیم و تکریم، ان سے محبت اور ان کی پیروی ہمارا ایمان بھی ہے اور ایمان کے حصول کے تقاضوں میں سے بھی ہے۔

بدقسمتی سے بہت سے ایسے مسلّمہ حقائق ہیں کہ گزشتہ 14 سو سال میں کبھی کسی زمانے میں علماء کو ان کے ثبوت اور وضاحت کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ آج ایک ایسا زوال کا دور ہے کہ مسلّمہ حقائق کو ثابت کرنے کے لیے بھی دلائل درکار ہیں۔ شہادت امام حسین اور واقعہ کربلا کے حوالے سے ایسے بے بنیاد شکوک وشبہات پیدا کیے گئے ہیں جن سے لگتا ہے کہ سچائی دھندلا رہی ہے، لوگوں کے ذہن منتشر ہوگئے ہیں یا منتشر کیے جارہے ہیں، ابہامات پیدا کیے جارہے ہیں تاکہ لوگ اہل بیت اطہارؓ کی محبت ومودت کے اس رشتے سے کٹتے چلے جائیں یا یہ رشتہ کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جائے۔ اس طرح امت کے وہ لوگ جو شکوک وشبہات کا شکار ہوکر اپنا رشتہ اہل بیت اطہار کی محبت اور مؤدت پر کمزور کربیٹھیں تو وہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ سے بھی کٹ جائیں، ان کے دلوں سے تعظیمِ رسول ﷺ میں بھی کمی واقع ہوجائے، آقاؐ کے ساتھ عشق و محبت کا تعلق کمزور پڑ جائے اور ساری خیرات و برکات جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے اہل ایمان کو اس واسطے سے نصیب ہونی ہے، امت اس سے محروم ہوجائے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اہل بیت اطہارؓ اور شہادت امام حسینؑ کے حوالے سے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے، ان کا قلع قمع کیا جائے تاکہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت ہو اور اہل بیت نبوی کے ساتھ ان کا تعلق محبت ومودت قائم رکھا جاسکے۔

آج سوشل میڈیا کا زمانہ ہے اس لیے جس شخص کی بات دس بندے بھی سننے والے نہیں تھے، وہ بیہودہ باتیں، بے بنیاد باتیں اور بے دلیل باتیں کرکے چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے اپلوڈ کردیتے ہیں جو لوگوں کی کثیر تعداد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے خرافات پھیلتی ہیں جو لامحالہ بعض ذہنوں کو تشکیک کی گرد کے ذریعے خراب کرتی ہیں۔ ذیل میں ان شکوک وشبہات میں سے چند ایک کا تذکرہ درج کیا جارہا ہے:

۱۔ ان اشکالات میں سے ایک اشکال یہ پیدا کیا جارہا ہے کہ یہ نفسِ انسانی کے قتل کا مسئلہ ہے اور چونکہ قتل کا عمل حرام ہے، اس لیے اسے کفر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ علت قائم کرکے درحقیقت یزید اور اس کے حواریوں کو جو دشمنانِ اہلِ بیت ہیں ان کو تحفظ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام حسینؑ اور دیگر اہلِ بیت اطہارؓ کے نفوس قدسیہ کا قتل ایک عام نفس انسانی جیسا تھا یا مومن انسان کے قتل جیسا تھا یا اس کا حکم ان سے جدا اور بالا تر ہے؟

۲۔ اسی طرح یہ شبہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ واقعات وکربلا اور اہل بیت نبوی وعترت رسول ﷺ کی اہانت اور بے حرمتی کے واقعات میں کچھ من گھڑت ہے، کچھ قصے اور کہانیاں ہیں چونکہ یہ تاریخی واقعات ہیں اور تاریخی واقعات میں بڑی کمی بیشی ہوتی ہے اور اس کی اصل حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔ لہٰذا اس پر شدت کے تحت کوئی حکم قائم نہیں ہونا چاہیے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ تاریخی قصے کہانیاں ہیں؟ کیا یہ پورا واقعہ کربلا اور یہ تمام امور کمزور روایات پر قائم ہیں یا یہ مسلمہ حقائق ہیں؟ یاد رکھیں! پورے واقعہ کی بنیاد احادیث صحیحہ ہیں جو آپ ﷺ نے مستقبل کی غیبی خبروں کے طور پر امت تک پہنچائیں اور یہ معتمد روایات پر قائم ہیں۔ مؤرخین سے بڑھ کر ان کی توثیق بڑے بڑے ائمہ محدثین، ائمہ فقہا، ائمہ متکلمین اور جمیع اکابرین امت نے کی ہے۔

۳۔ اسی طرح یہ شبہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ سیدنا امام حسینؑ کو

تو ابن زیاد اور اس کی فوج نے شہید کروایا، یزید نے تو براہ راست آپ علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ لہذا اس پر آپ علیہ السلام کی شہادت کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا شہادتِ امام حسینؑ کی ذمہ داری صرف ابن زیاد اور اس کی کوفی فوج پر ہے یا براہ راست یزید ذمہ دار ہے؟ کیا یزید کے ایماء، حکم، مرضی اور منصوبہ بندی کے ساتھ واقعہ کربلا ہوا تھا یا نہیں؟

۴۔ یہ بھی جائزہ لینا ہے کہ یزید کا عمل اور کردار کیا ہے؟ کیا وہ لعن و تکفیر کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس کا تین چار سالہ دور حکومت کے نمایاں خدوخال کیا ہیں اور ان کی روشنی میں وہ کہاں کھڑا ہے۔۔۔؟ پھر جب یزید کی جگہ متعین ہوتی ہے تو اس کے حواری کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟ اس سے ہمدردی رکھنے والے کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟ اس کی حفاظت اور اس کے ایمان کے تحفظ کا اہتمام کرنے والے کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟اس سے وفا کرکے اہل بیت اطہارؓ کے ساتھ جفا کرنے والے کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟

یزید اور اس کے اعوان و انصار جنہوں نے نہ صرف نواسۂ رسول کو شہید کیا بلکہ پوری عترتِ رسول ﷺ کو شہید کیا، ان کے مقدس لاشوں پر گھوڑے دوڑائے، ان کے سر کاٹ کر نیزوں پر چڑھائے، کوفے کے بازاروں میں انہیں گھمایا اور سیدہ زینب اور سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام سمیت پورے قافلہ اہلبیت کو قیدی بنایا، انہیں زنجیروں میں جکڑا، ان کے گلے میں طوق پہنائے، پاؤں میں بیڑیاں پہنائیں اور جنگی قیدیوں کی طرح قافلہ بنا کر انہیں کوفے سے لے کر دمشق تک چلایا اور پوری دنیا کو دکھایا کہ یہ ہے مسلمانوں کے رسول اور نبی کی عترت۔۔۔ یہ سر ہے اس حسین کا جو نبی کے کندھوں پر سواری کرتا تھا۔۔۔ یہ سارے سر ہیں رسول پاک کے ان شہزادوں کے جن کے حقوق کی پاسداری کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا تھا۔۔۔ جن کے حقِ حرمت کو قرآن مجید کے حق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے جوڑا تھا اور فرمایا تھا کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر بھی میرے پاس قرآن اور میری عترت اکٹھے وارد ہوں گے۔

اس تمام کچھ کے کرنے کے پیچھے یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ یہ ہے تختِ دمشق اور یزید کی قوت و طاقت۔ گویا لوگوں کو یہ پیغام پہنچایا گیا کہ آج کے بعد خبردار کوئی ظالم و جابر کے سامنے نہ کھڑا ہو ورگرنہ اُسے بغاوت کا نام دے دیا جائے گا۔ اس قافلہ اہل بیت کو دیکھو! بغاوت کرنے والوں کا حشر یہ ہوتا ہے۔ تاکہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ آئندہ وہ حق کا ساتھ دینا چاہتے ہیں یا طاقت کا۔۔۔؟ وہ آئندہ عدل کا ساتھ دینا چاہتے ہیں یا قوت کا۔۔۔؟

۵۔ اس امر کا جائزہ بھی لینا ہے کہ کیا یہ سوچنا جائز ہے کہ جب شہادت امام حسینؑ کا معاملہ آئے، قاتلین حسین کا معاملہ آئے، یزید اور ان کے اعوان و انصار کا معاملہ آئے تو ہم اس کو اس طرح سوچیں کہ آپ کو شہید کرنے سے تو کوئی شخص کافر نہیں ہوجاتا چونکہ انسانی نفس کا قتل حرام فعل ضرور ہے مگر یہ باعثِ کفر نہیں ہے۔

معاذ اللہ یہ باتیں ٹی وی چینل پر کہی جارہی ہیں۔ نوجوان نسل کے ذہنوں کو برباد کیا جارہا ہے اور چودہ سو سال سے متصلاً جو ایمان اور عقیدت کا رشتہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور جس پر ائمہ امت نے ہمیشہ تعلیم و تلقین دی ہے اس کو کاٹا جارہا ہے۔ امام عالی مقام کی شہادت کو ایک عام نفسِ انسانی کے مقام پر لاکر کھڑا کردیا جائے، عترتِ رسول ﷺ کے قتل کو عام نفوس انسانی کے قتل کے برابر ٹھہرادیا جائے اور کہا جائے کہ جس طرح نفسِ انسانی کے قتل سے بندہ کافر نہیں ہوتا اسی طرح شہادتِ امام حسینؑ کے ذمہ دار بھی اس عمل سے کافر نہیں ہوئے۔

یاد رکھیں! شہادت امام حسینؑ کے حوالے سے حکم قائم کرنے کا مسئلہ نفس انسانی کے قتل کے حکم کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ سیدنا امام حسینؑ اور اہل بیت نبوی ﷺ کو اذیت پہنچانا، اذیت رسول ﷺ ہے اور رسول ﷺ کو اذیت پہنچانا کفر ہے۔

شیخ الاسلام نے مذکورہ بالا اشکالات اور اس طرح کے دیگر کئی شکوک و شبہات کا ازالہ اپنے اس خصوصی خطاب میں فرمایا۔ اس خطاب کی تفصیل کے لیے www.minhaj.org اور www.minhaj.tv ملاحظہ فرمائیں۔

☆ کانفرنس سے محترم علامہ میر آصف قادری (جنرل سیکرٹری منہاج القرآن علماء کونسل) نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ

تحریک منہاج القرآن کے اس مرکز پر ہمیشہ کی طرح اس سال بھی شہادت امام عالی مقام سیدنا امام حسینؑ کے موقع پر اتحادِ امت کانفرنس کا انعقاد ہورہا ہے۔ یہ کانفرنس قائد تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی اتحاد، امن اور محبت پر مبنی فکر کی آئینہ دار ہے۔ شیخ الاسلام وہ جلیل القدر ہستی ہیں جنہوں نے اتحاد، امن اور محبت کا علَم اس وقت بلند کیا جب اس شعبہ کے اندر کام کرنا جرم تصور کیا جاتا تھا۔ اس عظیم خدمت سرانجام دینے کی پاداش میں آپ کے خلاف کیا کچھ منفی پروپیگنڈے نہیں کیے گئے، لیکن شیخ الاسلام ان تمام سازشی ہتھکنڈوں کی پرواہ کیے بغیر کلمہ حق بلند کرتے رہے اور اپنی فکر کو تسلسل کے ساتھ پھیلاتے رہے۔ آپ کی فکر اور تعلیمات اعتدال و توازن پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان جب کسی مسئلے پر حقیقی تفہیم چاہتا ہے تو وہ شیخ الاسلام کے خطابات اور کتب کی طرف رجوع کرتا ہے۔

☆ محترم مفتی خلیل احمد قادری (شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور) نے کانفرنس میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس عظیم الشان فلسفہ شہادت امام حسینؑ و اتحاد امت کانفرنس میں ہر مکتبہ فکر سے علماء اور عوام بھی شامل ہیں۔ یہ منظر منہاج القرآن کی اتحاد امت کے لیے کاوشوں اور راہِ اعتدال پر ہونے کا عکاس ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی کتب کا مطالعہ کرنا بلاشبہ قاری کو نہ صرف حقیقت سے آشنا کرتا ہے بلکہ دین کا حقیقی فہم بھی عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو یقیناً قبول فرمارہا ہے۔ ان کے کام کے مقبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ یہ کام دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔ محبت اہل بیت اور محبت صحابہ کرامؓ کے حوالے سے شیخ الاسلام کی جمیع خدمات امت میں اعتدال و توازن کو فروغ دینے اور فرقہ واریت کا قلع قمع کرنے میں کلیدی کردار ادا کررہی ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم شہادتِ امام حسینؑ کے پیغام کو عام کریں، اسلام کی سربلندی کے لیے کاوش کریں، امن وسکون کا پیکر بنیں اور ہر قسم کی فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر اسلام کے فروغ کے لیے کام کریں۔

☆ علامہ حافظ کاظم رضا نقوی (پرنسپل جامعہ قرآن بحریہ ٹاؤن لاہور) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے پہلے کی طرح آج بھی یہ شرف حاصل ہورہا ہے کہ عالم اسلام کے اس عظیم مرکز پر امام حسینؑ کانفرنس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی دعوت پر حاضر ہوا۔ میں جامعہ المنتظر میں ایک طویل عرصہ تک استاد رہا اور وہاں سے یہاں حاضر ہوتا رہا ہوں۔ مگر شیخ الاسلام کے دو پروگرام میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا کہ جب مولا کائنات حضرت علیؓ کے خلاف کسی شخص نے ہرزہ سرائی کی تو ہم محبت علیؓ رکھنے والوں میں سے ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق جواب دیا مگر شیخ الاسلام نے دو راتیں سات اور آٹھ گھنٹوں پر مشتمل نشستوں میں دشمن علیؓ کو وہ مدلل جواب دیئے کہ اس وقت میرا جی چاہتا تھا کہ میں شیخ الاسلام کے ہاتھ چوموں۔ آج میں انہیں ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ دوسرا پروگرام حال ہی میں سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہراءؓ کے حوالے سے ہے۔ یہ خطاب بھی اپنی مثال آپ ہے اور ہر علمی، فکری حلقہ میں سراہا جارہا ہے۔ شیخ الاسلام کی کتب کو دیکھیں تو کیا کمال کی کتابیں ہیں۔ جن میں محبتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ، محبتِ اہل بیت اور محبتِ صحابہ کرام کے رنگ جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں ان تمام خدمات پر شیخ الاسلام کو خراج تحسین اور سلام پیش کرتا ہوں۔

شیخ الاسلام حقیقی معنوں میں اہل بیت کے غلام ہیں، میں نے ان کی محبتِ اہلِ بیت کا نظارہ خود ایک دفعہ حج کے موقع پر دیکھا۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ ان کا اوڑھنا بچھونا صحابہ کی محبت اور خصوصاً اہل بیت کی محبت ہے۔ مدینہ منورہ میں ہم نوافل پڑھتے تھے اور یہ وہاں پر بھی مؤدت و محبت اہل بیت اور حقانیتِ اسلام پر کتب لکھ رہے ہوتے تھے۔ چنانچہ ادھر ہم رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرتے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے غلام کی زیارت کرتے۔ خداوندِ عالم ایسی ہستیوں کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے، ان کا فیض دنیا میں جاری و ساری رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت امام حسینؑ کے پیغام کو سمجھنے، محبت صحابہ و محبت اہل بیت کو فروغ دینے اور وحدتِ امت کے لیے کام کرنے کی توفیق دے۔

☆ پیر زادہ برہان الدین محمد عثمانی (سیکرٹری جنرل علماء و مشائخ رابطہ کونسل جماعت اسلامی) نے خطاب کرتے ہوئے کہا

کہ کسی کو اگر کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو پھر محبوب کی ہر ادا سے محبت ہوتی ہے اور محبوب کے ہر تعلق و نسبت کے ساتھ محبت ہوتی ہے اور پھر وہ محبت خوشی کے گھونٹ بھی پلاتی ہے اور غم کے آنسو بھی بہاتی ہے۔ امام عالی مقام اور آپ علیہ السلام کے خانوادے کی شہادت کا غم کسی بندۂ مومن کے دل کے اندر کیونکر ہے؟ اس لیے کہ غمِ حسینؑ غمِ محمد ﷺ ہے اور اگر میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت کو قائم کرتا ہوں اور کلمہ پڑھتا ہوں تو محمد رسول اللہ ﷺ کو جو غم چودہ سو سال پہلے ہوا تھا، آج بھی میرے دل کے اندر اسی طرح سے زندہ ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں غم حسینؑ منایا جاتا ہے، غم حسینؑ منانے کے لیے شیعہ ہونا ضروری نہیں، بلکہ غم حسینؑ منانے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے میدان کربلا میں جو نذرانہ پیش کیا اس کا مقصد اپنے نانا کی امت کے لیے ایک رول ماڈل پیش کرنا تھا کہ ظالم کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا چاہیے۔ یزید چودہ سو سال پرانا ہو یا آج کا یزید ہو، ظالم کے سامنے گردن نہیں جھکانی اور اس گردن کو نہ جھکانے نے ہی امام حسین علیہ السلام کو قیامت تک کے لیے زندہ کردیا ہے۔ اگر اب ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی وہ لازوال نسبت نصیب ہوجائے تو قیامت تک ہمیں اپنے دل کے اندر محبت حسینؑ کو آباد کرنا ہوگا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری آج حقیقی معنوں میں محبت اہل بیت اور محبت صحابہ کو دلوں میں آباد کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اتحاد امت کے لیے ان کی کاوشوں اور جذبات کا میں خود عینی گواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و سلامتی عطا فرمائے۔

☆ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری (امیر متحدہ مجلس جمعیت اہلحدیث) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً آج کا دن میرے لیے انتہائی فرحت کا باعث ہے کہ پاکستان اور عالم اسلام کے اس عظیم مرکز منہاج القرآن انٹرنیشنل میں ایک ایمان افروز، روح پرور اور دلآویز کانفرنس شہادتِ سیدنا امام حسینؑ اور اتحادِ امت میں شریک ہوں۔ عنوان میں بظاہر دو چیزیں ہیں: شہادت امام حسینؑ اور اتحاد امت۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام وہ ہیں کہ جن کے نام پر امت میں آج بھی اتحاد ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا: ”**حسین منی و انا من الحسین**“

”**حسین منی**“ کا مطلب ہے کہ میں حسین کا نانا ہوں اور حسین میرا نواسہ ہے۔۔۔ میں بابا ہوں، حسین میرا فرزند ہے۔۔۔ میں پھول ہوں، حسین میری خوشبو ہے۔۔۔ میں چاند ہوں، حسین میری چاندنی ہے۔۔۔ میں سورج ہوں، حسین میری روشنی ہے۔۔۔ میں کُل ہوں، حسین میرا جُز ہے۔

وانا من الحسین کا مطلب ہے کہ کربلا میں اگر میرے موقف کو جاننا ہوگا تو میرے حسینؑ کا مؤقف میرا مؤقف ہوگا۔۔۔ کربلا میں جو حسین کہہ رہے ہوں گے وہ دراصل مصطفی ﷺ کہہ رہے ہوں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے اتحاد، تمہاری رہنمائی اور تمہیں اصولِ زندگی سکھانے کے لیے مجھے رب نے دو چیزیں عطا فرمائیں: ایک قرآن اور دوسری میری عترت اہل بیت۔ تم میں یہ دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، اگر تم ان کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ آج بھی امت اگر ان دونوں چیزوں سے اپنا تعلق بنائے رکھے، ان کی ادب و تعظیم کو حرزِ جاں بنائے تو کامیابی و کامرانی اس کے قدم چوم سکتی ہے۔

شیخ الاسلام نے حسینیت کا پرچم اٹھایا ہے اور ثابت کیا کہ صداقت بیان کرنے سے مومن رک نہیں سکتا اور نہ جھک سکتا ہے۔ اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ حسینیت کا پرچم بلند کرنے کی وجہ سے اللہ نے جو شہرت ڈاکٹر صاحب کو دی ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ ہم بھی دنیا بھر میں جاتے ہیں، دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں، جہاں جہاں جاتے ہیں وہاں ڈاکٹر طاہرالقادری کی خوشبو آتی ہے۔ اس لیے کہ علامہ اقبال نے کہا تھا:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اتحاد امت کے لیے شیخ الاسلام نے مسلکی اختلافات پر بلڈوزر چلایا ہے اور محبت کا پرچم بلند کیا ہے۔ ڈاکٹر طاہرالقادری کو عزتیں ایسے ہی نہیں ملتیں بلکہ یہ اہل بیت کی نسبت کی برکت ہے اور جو حسینی ہے وہ ہمارے سر کا تاج ہے۔